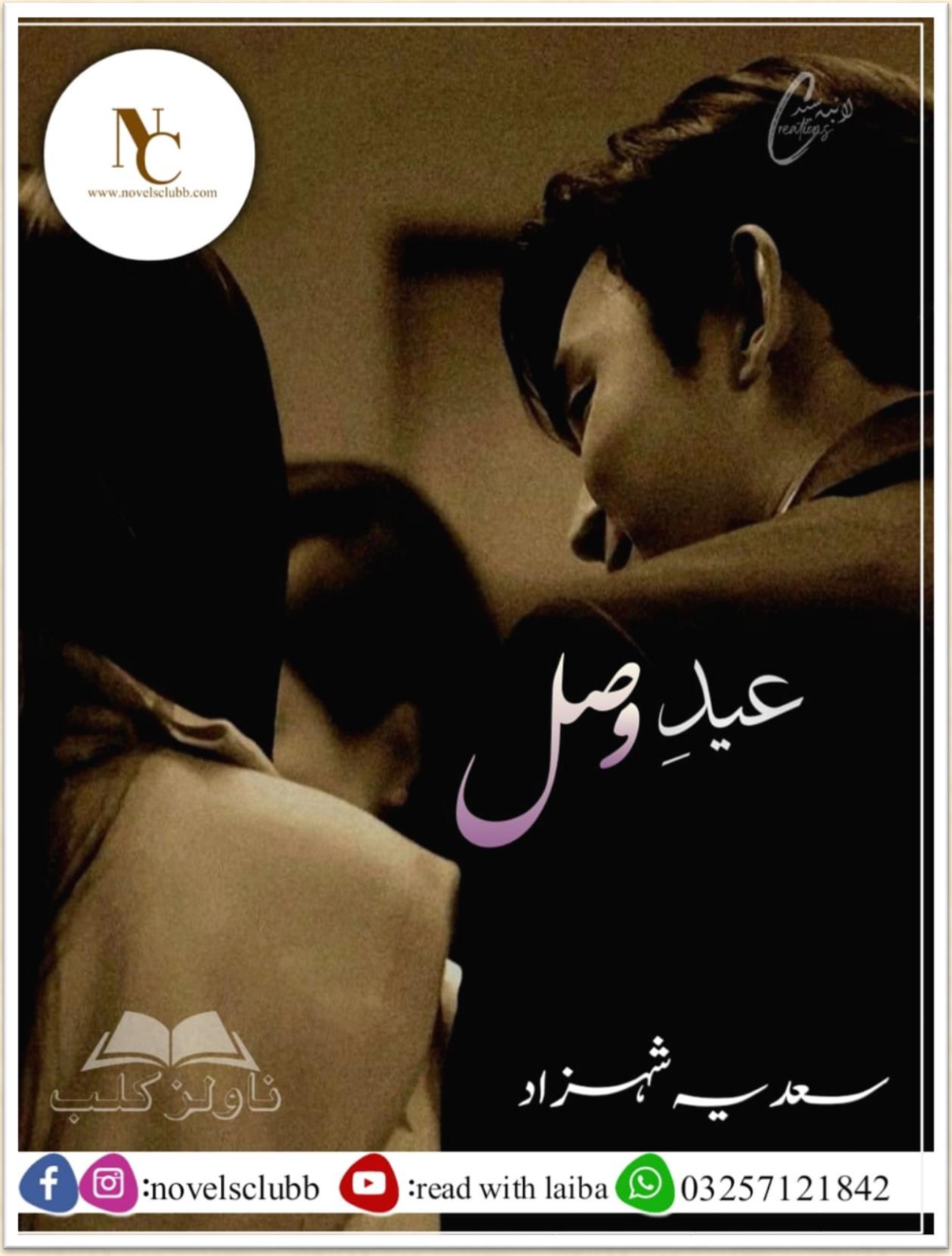
www.novelsclubb.com
عیدِ وصل
سعدیہ شہزاد
ناولز کلب
:novelsclubb
:read with laiba
03257121842

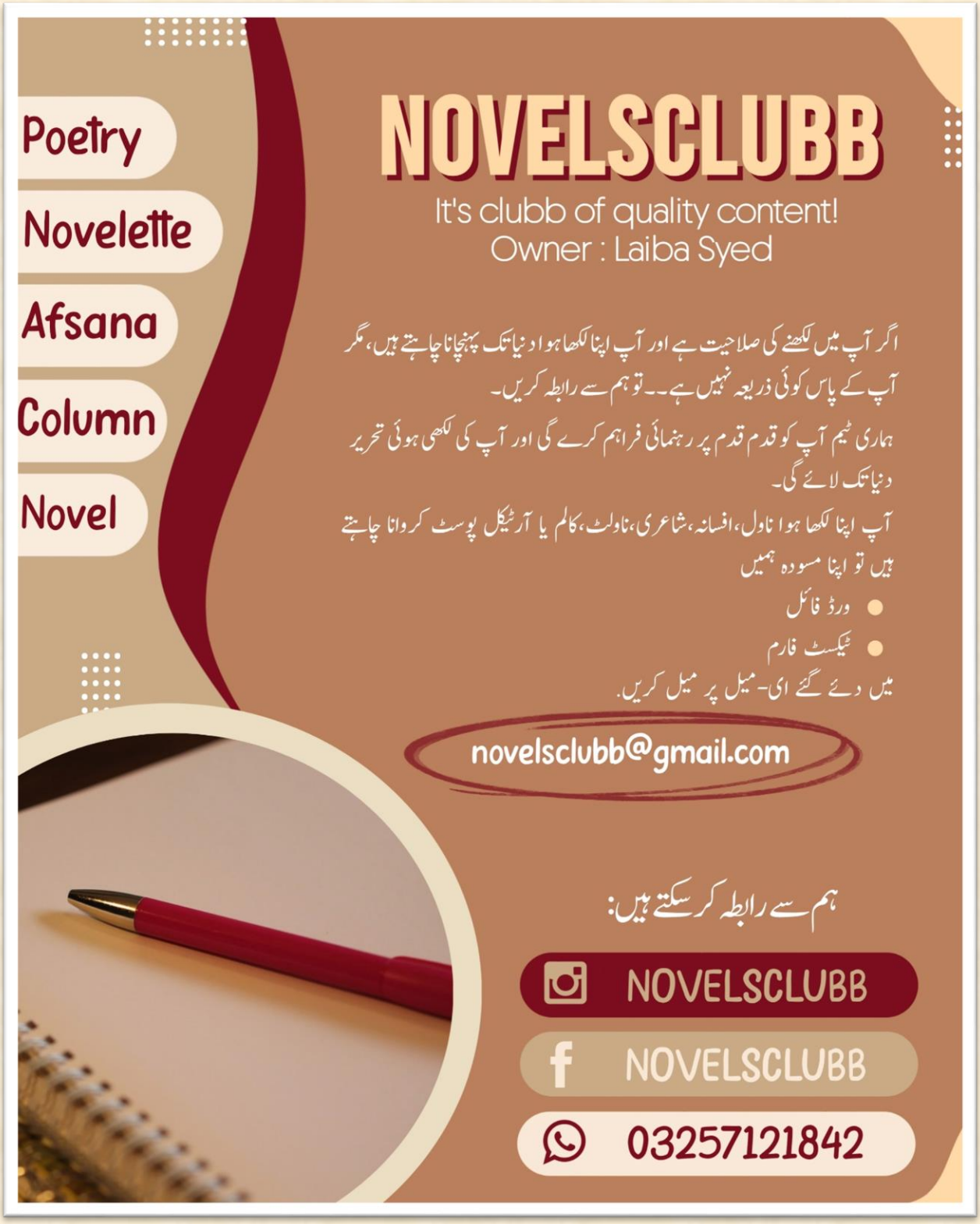
Poetry
Novelette
Afsana
Column
Novel
NOVELSCLUBB
It's clubb of quality content!
Owner : Laiba Syed
اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔
ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔
آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں
ورڈ فائل
ٹیکسٹ فارم
میں دئے گئے ای-میل پر میل کریں.
novelsclubb@gmail.com
ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں:
NOVELSCLUBB
NOVELSCLUBB
03257121842

عیدِ وصل

از قلم

سعدیہ شہزاد

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

عیدِ وصل

از سعدیہ شہزاد

انتساب:

میری دو مخلص دوستوں؛

عین الحیات اور عرشنا کے نام، جنہوں نے مجھے پھر سے قلم اُٹھانے پر راضی کیا۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہجر کی اذیت،

وصل کی اُمید،

پہلی ملاقات کے لرزتے لمحے،

آخری لمحات کی خاموش ساعتیں،

ابتدائی اطلاعات کی دھڑکن،

الوداعی وقت کی بھیگی چاپ

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

ہر شے جیسے

تیری منتظر رہی۔

میرا ہجر پھر بھی

تیرے وصل پہ بھاری،

تیری موجودگی مگر،

میرے ہجر سے زیادہ پیاری

یہ عیدِ وصل ہو گی

میرے ہجر پہ بھاری،

میری معافی ہو گی

تیرے دُکھ پر طاری۔

یہ عیدِ وصل ہو گی

ہر اذیت کا اختتام

پھر بھی،

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

میرا ہجر رہے گا،

تیری ذات پر

تا عمر بھاری۔

(از خود)

وقت بھی کیا عجیب شے ہے بدلتا ہے تو رکتا ہی نہیں اور اپنے ساتھ ساتھ ہر شے، ہر شخص، ہر رشتہ بدل دیتا ہے کچھ ایسا ہی آج اُس نے محسوس کیا تھا۔ چھ سال پہلے اِس ملک کو چھوڑ کر جاتے ہوئے اُس نے نہیں سوچا تھا کہ واپسی اِس قدر مشکل ہو گی لیکن آج جب وہ واپس آ رہا تھا تو دل ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہا تھا جانے کیا ہونے والا تھا۔ اُسے معلوم تھا اِن چھ سالوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا لیکن کتنا یہ وہ نہیں جانتا تھا۔

کراچی انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اُتر کر اپنا سامان لے کر باہر آتے ہوئے اُس نے ایک نظر سامنے دوڑائی جہاں اُس کا ڈرائیور کھڑا اُس کا انتظار کر رہا تھا۔ اپنے ملک کی سرزمین پر قدم رکھتے ہوئے سب کچھ اِس پل اُس کے ذہن میں تازہ ہو گیا تھا لیکن ایک عجیب سی خوشی اُس کے پورے وجود میں سرائیت کر گئی تھی اپنے لوگ، اپنا ملک، اپنا شہر دیکھ کر اُسے خوشی

محسوس ہو رہی تھی۔اُس نے سامنے دیکھا نبیل (ڈرائیور) اُسے ہاتھ ہلا رہا تھا وہ مسکرا کر اُس کی جانب آیا۔ نبیل نے اُس کے لیے دروازہ کھولا اور اُس کا سامان گاڑی میں رکھ کر اب گاڑی کو لے کر گھر کی جانب نکل گیا۔

کچھ دیر کے بعد گاڑی کراچی کے ایک پوش علاقے میں آ کر رُکی۔وہ گاڑی سے باہر نکلا اور گھر میں قدم رکھا۔

سارے گھر والے اُس کے استقبال کے لیے کھڑے تھے وہ ایک ایک کر کے سب سے مل رہا تھا بس کمی تھی تو صرف اُس کی (کیا کسی نے اُسے میرے آنے کا بتایا نہیں؟ وہ آئی کیوں نہیں ؟ کیا وہ اب بھی ناراض ہے؟ کیا وہ آئے گی نہیں؟) ایسے کئی سوال بیک وقت اُس کے ذہن میں آئے لیکن وہ تمام خیالات کو جھٹک کر سب کی جانب متوجہ ہو گیا۔

"چلو بیٹا آپ فریش ہو جاؤ پھر آرام کر لو، باقی باتیں افطاری کے بعد کریں گے۔ابھی تم جاؤ تھک گئے ہو گے۔" یہ اُس کی والدہ تھیں جو اُسے آرام کے حوالے سے کہہ رہی تھیں وہ سر ہلا کر آگے کی جانب بڑھ گیا۔

پیچھے سب اپنے کاموں میں لگ گئے۔ابھی وہ سیڑھیوں کی جانب بڑھ رہا تھا کہ کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی یہ آواز۔۔۔وہ کچھ سوچ نہیں سکا اور اپنی جگہ ٹھہر گیا۔وہ سیڑھیاں اُتر رہی تھی۔سیاہ آنکھیں آج بھی ویسی ہی تھیں بس اُن کا تاثر بدل گیا تھا۔

"دانی کہاں ہو؟مجھے دیر ہو رہی ہے۔"وہ اپنی کزن سے مخاطب تھی کہ اچانک آخری سیڑھی پر پہنچ کر اُس کی نظر سامنے موجود شخص کے اوپر پڑی اور ٹھہر گئی۔

کیا نہیں تھا جو یاد نہیں آیا تھا۔چھ سال جیسے کہیں بہت پیچھے رہ گئے تھے لیکن پھر جو یاد آیا وہ اگلے چھ سال بھی بھلانے کے قابل نہیں تھا۔

دونوں کی نظریں ملیں اُن آنکھوں میں کوئی تاثر نہیں تھا مقابل نے غور سے دیکھا پھر اُس لڑکی کی آنکھوں میں ایک تاثر اُبھرا جس میں تھا۔درد۔۔اذیت۔۔شکوہ۔۔اور مقابل کی آنکھوں میں بیک وقت تاثر نظر آیا جس میں تھا افسوس۔۔معذرت۔۔ندامت۔۔کچھ دیر وہ دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر اُس لڑکی نے اپنی نظریں پھیر لیں اور اُس کے برابر سے نکل کر چلی گئی۔پیچھے وہ اکیلا رہ گیا تھا۔اُسے اب ایسے ہی اکیلے رہ جانا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

بارات اپنے اختتام کو پہنچ رہی تھی اور ابھی تک زِمل انصاری کا فوٹو سیشن اپنے آخری مراحل میں نہیں پہنچا تھا۔ایسا لگ رہا تھا جیسے شادی اُس کی تایا زاد والیہ امین کی نہیں بلکہ اُس کی خود کی تھی۔جب سے وہ لوگ ہال پہنچے تھے تب سے اُس نے فوٹو گرافر کو اپنے پیچھے پھرا پھرا کر تھکا دیا تھا اور وہ بیچارا اب باقاعدہ اُس کے آگے ہاتھ جوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا، لیکن وہ صدا کی ڈھیٹ ایسی بنی تھی جیسے وہ اُس سے نہیں بلکہ اُس کے آس پاس کے لوگوں سے کہہ رہا تھا۔

ابھی وہ پھر اُس بیچارے کی مزید درگت بنانے کا ارادہ رکھتی تھی کہ اُس کی نظر سامنے ایک منظر پر پڑی جس سے اُس کا کوئی تعلق نا ہوتا اگر اُسے وہاں اپنی ہی ہم عمر، اُس کی کرائم پارٹنر دانیہ امین نظر نا آئی ہوتی بس دانیہ کو دیکھنا تھا وہ تیر کی طرح اُس کی جانب لپکی اور جا کر اُسے زور سے ہلایا۔

"دانی یہ کیا کر رہی ہو یہاں؟" وہ پوچھے بنا نہیں رہ سکی آخر کو اُس کی سہیلی کی بات تھی۔

"زِمل! کتنا اچھا ہوا تم آ گئی ابھی میں تمہیں ہی بلانے والی تھی۔یہ دیکھو نا اِس لڑکے کو کب سے تنگ کر رہا ہے کہ (میں لڑکے والا ہوں مجھے اسپیشل ٹریٹمنٹ دو) اب ایسی کون سی ٹریٹمنٹ چاہتا ہے یہ ہم سے، سر پر تو نہیں سجا سکتے اِسے جیسے یہ شہنشاہ کا تاج ہو۔اِسے سمجھاؤ

کہ مجھے تنگ کرنا بند کرے میں والیہ آپی کی وجہ سے چپ ہوں ورنہ اِس کا حشر کر دیتی۔"

دانیہ امین عباس منزل کی آخری دختر تھیں لیکن اُن کے کارنامے ہر بار نئے اور انوکھے لگتے تھے۔اب بھی وہ یہاں کھڑی اُس لڑکے سے بحث کر رہی تھی جو جانے کون تھا اور بلاوجہ ہی اُس کے پیچھے پڑ گیا تھا۔گہری بھوری آنکھیں جن پر نظر کا جدید طرز پر بنا چشمہ لگائے، گندمی رنگت پر قرمزن رنگ کی چھوٹی فراک اور گھیر دار شرارہ پہنے، دوپٹہ ایک طرف کو کندھے پر لٹکائے، دونوں ہاتھوں کو چوڑیوں سے بھرے اور ناک پر غصہ سجائے اپنی ہم عمر کزن کو دیکھ کر اب اُس لڑکے کی شکایت کر رہی تھی۔بلاشبہ وہ ایک خوبصورت لڑکی تھی لیکن زِمل کے آگے اُس کی خوبصورتی کچھ کم ہو جاتی تھی، لیکن وہ اِس بات پر ہر بار خوش ہوتی تھی کیوں کہ اُسے بھی زِمل بہت پسند تھی۔

"اچھا اچھا! اتنا شور کیوں مچا رہی ہو، سب مہمان آئے ہوئے ہیں کیا سوچیں گے۔تم ایسا کرو فائق بھائی سے جا کر بول دو وہ اِسے اپنے طور پر سنبھال لیں گے۔" زِمل جو ویسے ہی ہر کام میں دانیہ کی پارٹنر تھی بلکہ اُس سے دو ہاتھ نہیں بلکہ تین چار ہاتھ آگے تھی اب اُسے ہی خاموش رہنے اور بات سنبھالنے کے مشورے دے رہی تھی۔

"واہ زِمل خانم واہ! آج آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ آپ ہمیں مشورے دے رہی ہیں؟ جس نے آج تک کوئی کام سیدھا نہیں کیا۔" وہ تو اُس کی باتوں پر مانو انگاروں پر لوٹ گئی ہو اِسی لیے طنزیہ انداز اپناتے ہوئے ایسے بولی جیسے یہ واقعی داد دینے والا کوئی کام تھا جو زندگی میں پہلی بار زِمل انصاری کر رہی تھی۔ ابھی وہ دونوں یہیں شروع ہو جاتے کہ سامنے سے فائق کامران آ گیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟ ارے کم از کم آج کے دن تو ہمیں سکون سے رہنے دو۔ چلو بھئی تم جو بھی ہو اور جس کی طرف سے بھی آئے ہو اپنا کام کرو۔ تم زِمل، جاؤ میر کے پاس اُسے کچھ کام ہے اور تم دانیہ آج تمہاری بہن کی رخصتی ہے اور تم اپنے خاص لمحات ایسے فالتو انسان پر ضائع کر رہی ہو اب چلو۔" فائق کے آتے ہی اُن دونوں کی حالت ویسی ہی تھی جیسی ہمیشہ ہوتی تھی، کیوں کہ وہ ہر بار اُن کے غبارے میں سے ہوا نکال دیا کرتا اور پُھس غبارہ انہیں پکڑا دیتا تھا۔ اب بھی یہی ہوا پہلے اُن دونوں سے مخاطب ہوا، پھر اُس لڑکے کو وہاں سے بھیجا اور آخر میں اُن دونوں کو حکم دیتا ہوا دانیہ کو ساتھ لے کر وہاں سے جانے لگا کہیں وہ لڑکی اُس کے جانے کے بعد پھر کوئی تماشہ نا کر دے۔ زِمل تو اپنا نام سنتے ہی چلی گئی تھی کیوں کہ اُسے اندازہ تھا

اگر از میر امین نے بلایا ہے تو بات اُس تک بھی پہنچ چکی ہے اب وہ اپنی اگلی عزت افزائی کا انتظار کر رہی تھی۔

وہ آگے بڑھ رہی تھی کہ سامنے سے اُسے وہ آتا دکھائی دیا۔ سیاہ کُرتا پاجامہ پہنے، اوپر سُرمئی واسکٹ پہن رکھی تھی، کلائی میں گھڑی باندھے، کف لِنکس لگائے، سیاہ جوتے پہنے، سیاہ بالوں کو جیل سے سیٹ کئے، کھڑی مغرور ناک، تیکھے نقوش، سیاہ آنکھیں اُس کی گندمی رنگت پر چمک رہی تھیں۔ وہ واقعی حسین تھا یا شاید حسن دیکھنے والی آنکھ میں تھا جو اُسے دیکھ رہی تھیں۔

وہ اُس کے سامنے آیا اور مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔

"زِمل کیا ہوا؟" وہ اُس سے کیا بات کرنے آیا تھا بھول ہی گیا جب اُس کی نظر سامنے موجود اُس لڑکی پر پڑی جو گہرے نیلے رنگ کی چولی اور گھیر دار لہنگا پہنے، دوپٹے کو دونوں ہاتھوں میں پیچھے سے آگے کو ڈالے، سلور چوڑیاں کلائیوں میں پہنے، لمبے سیاہ بال کمر پر پھیلائے، سیاہ بڑی آنکھیں، مڑی ہوئی پلکیں، کھڑی ناک جس میں چھوٹی سی بالی پہنے، کٹاؤ دار لب، پر کشش نین نقش اُس کی سانولی رنگت جس میں سُرخی گھلی ہوئی تھی پر خوب سج رہے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

وہ ہر وقت ہی پیاری لگتی تھی لیکن آج تو اور بھی حسین لگ رہی تھی۔ مقابل اُسے دیکھتا رہ گیا۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ وہ اُسے دیکھ کر اپنی بات بھولا ہو ورنہ وہ ہر وقت اُسے لڑائی جھگڑوں پر سمجھایا کرتا تھا ابھی بھی وہ یہی کرنے آیا تھا لیکن اب اُسے دیکھ کر بھول گیا تھا۔

"کچھ نہیں ازمیر وہ لڑکا دانی کو تنگ کر رہا تھا اِسی لیے میں اُسے دیکھنے گئی تھی۔" وہ اُسے ازمیر کہتی تھی گھر میں سب اُسے میر و کہتے تھے، فائق اُسے میر کہتا تھا لیکن صرف وہ اُس کا پورا نام لیتی تھی کیوں کہ اُس کا کہنا تھا ازمیر کا نام بہت اچھا ہے اور پورا نام پکارنا زیادہ اچھا لگتا ہے۔ دونوں میں عمروں کا زیادہ فرق ہونے کے باوجود بھی ازمیر اُس کا بہت اچھا دوست تھا، اور اُس کے لیے وہ چھوٹی بچی تھی۔ وہ اُس سے آٹھ سال چھوٹی تھی اِس کے باوجود بھی وہ اُس کا نام لیتی تھی۔

"اگر کوئی دانیہ کو تنگ کر رہا ہے تو تم مجھ سے یا فائق سے کہہ سکتی تھیں۔ ہر وقت کہیں بھی لڑنے مت پہنچ جایا کرو۔ اب تم دونوں بڑی ہو گئی ہو یہ حرکتیں زیب نہیں دیتیں، اور موقع محل بھی دیکھ لیتے ہیں، سب مہمان تمہارا پوچھ رہے ہیں اور تم ہو کہ اُس فضول لڑکے سے بحث کر رہی ہو۔ اب جاؤ والیہ کی رخصتی ہو رہی ہے مل لو اُس سے پھر ہمیں بھی جانا ہے۔" وہ

ناچاہتے ہوئے بھی تھوڑا تلخ ہو گیا تھا کیوں کہ وہ جانتا تھا اگر وہ اُسے نرمی سے کہے گا تو وہ اگلی بار پھر یہی حرکت کرے گی اِسی لیے زرا سختی سے کہا تاکہ وہ اگلی بار احتیاط کرے اُسے تو وہ سنا چکا تھا، اب دانیہ سے وہ بعد میں بات کرے گا یہ سوچ کر آگے بڑھ گیا، کیوں کہ زِمل پہلے ہی وہاں سے جا چکی تھی۔

زِمل جلدی سے آکر والیہ کے گلے لگی جو پہلے دانیہ سے مل رہی تھی۔اب وہ دونوں ایک دوسرے کے گلے لگی رونے کی تیاری کر رہی تھیں فائق اور ازمیر نے ایک دوسرے کو دیکھا اور آنکھ دبائی۔

"ازمیر میلوڈرامہ شروع ہونے والا ہے۔میرا خیال ہے ہمیں والیہ کو رخصت کر دینا چاہیے۔" فائق نے شرارتی انداز میں اُن دونوں کو چھیڑا، باقی سب اُس کی بات پر ہنسنے لگے اور وہ دونوں جھینپ کر ایک دوسرے سے الگ ہوئیں اور جلدی سے والیہ کی جانب ہوئیں جو اُنہیں ہی گھور رہی تھی اُن دونوں نے معذرت خواہانہ انداز میں ہاتھ کھڑے کیے اور پھر وہ سب والیہ کو رخصت کرنے لگے۔کچھ منٹ بعد پورا ہال خالی ہو گیا، والیہ اپنے نئے گھر چلی گئی اور وہ سب بھی اپنے گھر کی جانب چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

عباس علی کے دو بیٹے تھے، بڑا بیٹا امین علی اور چھوٹا بیٹا محمّد انصاری۔اُن کی زوجہ کا انتقال اُن بچوں کی نوعمری میں ہی ہو گیا تھا،اِسی لئے اُن کی تربیت اُنہوں نے خود کی تھی اور پھر اُنہیں پڑھا لکھا کر اُن کی شادی کر دی گئی۔سب سے پہلے امین علی کی شادی ناہید بیگم سے ہوئی اور اُن کے ہاں ازمیر کی پیدائش ہوئی پھر والیہ کی اور پھر محمّد انصاری کی شادی ریحانہ بیگم سے ہوئی۔

شادی کے بعد اُن کے ہاں زِمل انصاری کی پیدائش ہوئی جس کی آمد پر پوری عباس منزل میں خوشی کی لہر دوڑ گئی لیکن یہ خوشی زیادہ عرصہ نہ رہی کیوں کہ کچھ مہینوں بعد ہی محمّد انصاری کی ایک ہوائی حادثے میں جان چلی گئی اور چھوٹی زِمل یتیم ہو گئی۔

عباس علی یہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور بیٹے کی وفات کے کچھ ہفتوں بعد دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔اُن کی وفات نے پورے گھر کو عجیب سوگواری کی لپیٹ میں لے لیا اور امین علی کے کندھوں پر ازمیر اور والیہ کے ساتھ ساتھ اب زِمل کی ذمے داری بھی آ گئی تھی۔وہ اُن سب کے لئے ایک ڈھال بن گئے اور اِنھیں دکھوں میں ایک دن دانیہ کی پیدائش ہوئی

جس نے پھر سے سب کو جینے کا حوصلہ دیا اور زِمل کو اپنے لئے ایک چھوٹا سا کھلونا مل گیا۔ وہ اُسی کے ساتھ چپکی رہتی تھی اور اِسی طرح ان دونوں کی شرارتوں سے یہ گھر پھر سے مسکراہٹوں کا حصّہ بن گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

والیہ کی رخصتی کل ہوئی تھی اور آج وہ سب اُس کے گھر ناشتہ لے کر گئے تھے جس کی وجہ سے اُن دونوں نے کالج کی چھٹی کی تھی۔ اب کل اُس کا ولیمہ تھا لیکن زِمل کا کل ایک بہت اہم ٹیسٹ تھا۔ جس کی تیاری اُس کی صفر تھی۔

سارا دن گزر چکا تھا اور ازمیر اب تک نہیں آیا تھا۔ رات کے گیارہ بج گئے تھے اِس پل وہ جلے پیر کی بلی بنی سارے گھر میں گھوم رہی تھی کیوں کہ ٹیسٹ کی تیاری وہ شروع سے اُسی سے کرتی تھی۔ وہی اُسے پڑھاتا تھا اور ابھی بھی وہ اُس کا انتظار کر رہی تھی کہ باہر سے کار کے ہارن کی آواز سنائی دی اور ایک منٹ بعد وہ اندر داخل ہوتا ہوا اسے نظر آیا۔

گھر والے سب آرام کرنے اپنے اپنے کمروں میں جا چکے تھے، وہی بس اب تک جاگ رہی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرایا اور اُس کی جانب بڑھا۔

''کیا کر رہی ہو یہاں اتنی دیر تک؟''سلام دعا کے بعد اب وہ اُس سے پوچھ رہا تھا۔

''ازمیر آپ کو آج اتنی دیر کیوں ہو گئی؟''وہ جواب دینے کے بجائے سوال کرنے لگی۔

''ارے وہ آج آفس میں ذرا کام زیادہ تھا۔خیر تم بتاؤ کیا کر رہی ہو یہاں؟''اُس کا جواب دینے کے بعد وہ پھر اپنا سوال دوہرانے لگا۔

''میرا کل فنز کس کا ٹیسٹ ہے اور مجھے نمریکلز سمجھنے ہیں آپ سے،اِسی لئے آپ کا انتظار کر رہی ہوں۔''وہ اُسے اپنے یہاں ہونے کی وجہ بتانے لگی۔سانولی رنگت اُسے دیکھتے ہی کھلنے لگی تھی،سیاہ رنگ کی شلوار قمیض میں لال دوپٹہ سر پر سجائے،سیاہ آنکھوں کو گول کئے وہ اُسے دیکھتے ہوئے نرمی سے کہہ رہی تھی۔وہ اُس کی بات سن کر مسکرایا۔

''اچھا تو مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا تم نے؟مجھے ایک میسج کر دیتی تو میں جلدی آجاتا۔خیر اب تم جاؤ اپنے کمرے میں اور نوٹس نکالو میں فریش ہو کر آتا ہوں۔''بیک وقت سوال و جواب کرتا وہ اُسے کام دے کر جانے لگا وہ بھی سر ہلا کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

کچھ دیر بعد وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔وہ پڑھ رہی تھی اور وہ اُسے پڑھا رہا تھا۔

"آپ کو نیند آ رہی ہو گی؟" وہ جانتی تھی پھر بھی پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔" یک لفظی جواب دیا گیا۔

"آپ تھک گئے ہوں گے؟" جانے وہ کیا سننا چاہ رہی تھی۔

"نہیں میں نہیں تھکا اور تمہارا کوئی بھی کام کرتے ہوئے از میر امین کبھی نہیں تھکتا، تو تم پریشان مت ہو۔" یہ کہہ کر اِس نے کتاب اُس کی جانب بڑھائی تاکہ وہ اگلا سوال حل کر سکے۔

"آپ کو بھی تو ایک کام تھا نہ جب آپ آئے تھے تو فائق بھائی کچھ کہہ رہے تھے کال پر؟" وہ اپنا سوال حل کر کے اُسے دکھاتے ہوئے کچھ دیر پہلے آنے والی فائق کی کال کا حوالہ دیتے ہوئے بولی۔ وہ ہلکا سا مسکرایا کہ اُس کی مسکراہٹ وہ دیکھ نہیں پائی۔ حقیقتاً اُس کے جواب نے اُسے محظوظ کیا تھا۔ جتنا وہ سمجھتا تھا وہ اتنی بھی اُس سے لاتعلق نہیں تھی۔

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو ایک کام تھا لیکن تم سے ضروری نہیں تھا۔ اِسی لئے تم اِس سب کی فکر مت کرو بس اپنے ٹیسٹ کے بارے میں سوچو۔" اب کی بار وہ مسکرائی وہ بھی جواباً مسکرایا۔

"تھینک یو۔" وہ احساسِ تشکر سے بولی وہ بھی سر خم کر کے اب اُسے پڑھانے لگا۔ رات کے تین بجے تک وہ اُسے ساری تیاری کروا چکا تھا اور پھر وہ اُسے سونے کی تاکید کر کے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اپنے کمرے میں آ کر اُس نے ساری رات جاگ کر اپنی کل آفس میں پیش کرنے والی پریزنٹیشن بنائی اور پھر بِنا سوئے صبح جلدی چلا گیا۔ صبح وہ جب جاگی تو اُس کے فون پر ایک میسج آیا ہوا تھا جسے اُس نے کھول کر دیکھا۔

"میں جانتا ہوں تم آج دیر سے اٹھی ہو گی اور اب ٹیسٹ کی وجہ سے جلدی جانے کی کوشش کرو گی لیکن ناشتہ کر کے جانا۔ گُڈ لک فار یور ٹیسٹ۔" وہ یہ پیغام پڑھ کر مسکرائی اور شکریہ کہہ کر اُٹھ گئی۔ کچھ دیر بعد تیار ہو کر اُس نے ناشتہ کیا اور کالج کے لئے نکل گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

کل رات والیہ کا ولیمہ ہو گیا تھا اور آج سے اُن سب کی زندگی پھر سے معمول کے کاموں میں لگ گئی تھی۔

زِمل اور دانیہ دونوں ہی ایف ایس سی کر رہی تھیں لیکن کالج دونوں کے ہی الگ تھے۔زِمل کا اچھا رزلٹ آنے کی وجہ سے اُس کا قریبی گورنمنٹ کالج میں داخلہ ہو گیا تھا جب کہ دانیہ کچھ نمبروں کی وجہ سے رہ گئی تھی اِسی لیے وہ ایک نجی کالج میں زیرِ تعلیم تھی۔

رات کا کھانا کھایا جا چکا تھا۔ازمیر آج ایک کلائنٹ سے میٹنگ کے سلسلے میں شام کو گھر سے نکلا تھا تو اب رات کے دس بج رہے تھے اُس کی واپسی نہیں ہوئی تھی۔

زِمل شادی کے چکروں میں بہت زیادہ تھک گئی تھی اِسی لیے آج اُسے تھوڑا آرام کا وقت مل گیا تھا تو وہ سونے چلی گئی تھی۔

دانیہ اکیلی بیٹھی ٹیرس پر کچھ سوچ رہی تھی یا یوں کہا جائے کہ اُسے اِس وقت آئس کریم کھانی تھی لیکن اُس کا گلا خراب تھا جِس کی وجہ سے کوئی بھی اُسے اِس پہر یہ کام نہیں کرنے دیتا پھر ایک خیال کے تحت زِمل کے کمرے میں بھاگی اور اُس کا فون اُٹھا لائی۔وہ دونوں ایک دوسرے سے کچھ نہیں چُھپاتی تھیں اور وہ دونوں ایک دوسرے کے فون کا پاسورڈ جانتی تھیں۔

باہر آ کر اُس نے ازمیر کو ایک میسج بھیج دیا۔

"ازمیر میرا آئس کریم کھانے کا دل کر رہا ہے آپ آتے ہوئے سٹرابیری چیز کیک کا ڈبل سکوپ لے آئیں۔۔پلیز۔" پیغام بھیج کر وہ اُس کے جواب کا انتظار کرتی رہی دو منٹ بعد فون کی مخصوص گھنٹی بجی جو صرف اُسی کے نمبر پر لگائی گئی تھی۔

"دانیہ اگر تم مجھے اپنے نمبر سے بھی میسج کرتیں تو میں لے آتا زِمل کے نام سے یہ بات کہنا ضروری نہیں تھا۔" اُس کا جواب دیکھ کر دانیہ نے زبان دانتوں میں دبائی اور ایک منٹ میں اگلا پیغام بھیجا۔

"بھائی آپ کو کیسے پتا یہ میں ہوں؟"

"کیوں کہ ایسے صرف تم لکھتی ہو۔زِمل کا ٹائپنگ اسٹائل بالکل الگ ہے اور اُسے سٹرابیری چیز کیک بالکل نہیں پسند،اُس کا پسندیدہ فلیور بیلجین چاکلیٹ ہے۔" مسکراتے ہوئے پیغام بھیجا گیا۔

"آہ۔۔۔میں تو بھول ہی گئی تھی زِمل انصاری کو ازمیر امین سے بہتر کوئی نہیں جان سکتا۔" سرد آہ بھرتے ہوئے پھر ایک شرارتی ایموجی بھیج کر اُس نے فون بند کر دیا۔دوسری جانب کار چلاتے ہوئے اُس کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ پل میں غائب ہوئی اور پھر وہ قریب ہی

ایک آئس کریم پارلر سے اُس کے لیے آئس کریم لے کر گھر پہنچا جسے اُس نے شکریہ کے ساتھ وصول کیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی پیچھے وہ بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اگلے دن کی صبح بہت روشن تھی۔ آج ہفتے کا دن تھا اور وہ سب گھر پر تھے۔

اتفاق سے آج ازمیر بھی چھٹی پر تھا جو ناہید بیگم نے زبردستی کروائی تھی۔

"ماما جان آج اگر آپ نے چھٹی کروا ہی دی ہے تو پھر اچھا سا ناشتہ بنا دیں۔" وہ اُنہیں چھیڑتے ہوئے بولا جب کہ روز وہی اُسے ناشتہ دیتی تھیں۔

"ٹھیک ہے تم بیٹھو میں بنا دیتی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"بھابھی آپ رہنے دیں میں بناتی ہوں سب کے لیے ناشتہ۔ ابھی زِمل اور دانیہ بھی آ جائیں گی اور بھائی صاحب کے بھی ناشتے کا وقت ہے آپ دوپہر کا کھانا بھی دیکھ رہی ہیں۔ ناشتے کی فکر چھوڑیں بس آپ بتا دیں آپ کیا کھائیں گی؟" ریحانہ بیگم جو ابھی کچن میں داخل ہو رہی تھیں اُن دونوں کی گفتگو سن کر بولیں۔

''ارے نہیں چچی میں تو بس ماما سے کہہ رہا تھا۔آپ پریشان مت ہوں۔'' وہ اُنہیں نرمی سے منع کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں بھئی صحیح بات ہے۔بھابھی سے اچھا کھانا تو کوئی نہیں بناتا اِسی لیے اب چچی کا ناشتہ کیوں کوئی کھائے گا۔'' ریحانہ بیگم، ناہید بیگم کو آنکھ کے اِشارے سے بتاتے ہوئے مصنوعی خفگی کا اظہار کرنے لگیں جِس پر اُسے شرمندگی محسوس ہوئی۔چچی اُس کی وجہ سے دکھی ہوئی تھیں وہ اُن کے پاس آیا اور نرمی سے بولا۔

''ایسی بات نہیں ہے چچی۔میں صرف آپ کے لیے کہہ رہا تھا خوامخواہ اِتنے لوگوں کی ذمہ داری آجائے گی آپ پر لیکن اگر آپ بنانا چاہتی ہیں تو میرے لیے چیز آملیٹ اور پراٹھے بنادیں۔'' وہ مسکرا کر کہتا ہوا کچن سے چلا گیا۔

پیچھے وہ دونوں بھی مسکرائیں بلاشبہ ازمیر امین اُن سب کے لیے خاص تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

سہ پہر کا کھانا وہ سب کھا چکے تھے اور اب سب بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے کہ کچھ لوگ اُن کے گھر آئے۔

سلام دعا کے بعد اُن ہوں نے اپنے آنے کا مدعا بتایا۔

"ہم آپ کی بیٹی زِمل کا رشتہ اپنے چھوٹے بیٹے کے لیے لے کر آئے ہیں۔اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہماری درخواست قبول کریں۔" زِمل اور دانیہ جو انجان لوگوں کو دیکھ کر پہلے ہی زِمل کے کمرے میں جا چکی تھیں۔ازمیر وہیں بڑوں کے ساتھ بیٹھا تھا۔اُن لوگوں کی بات سُن کر اُس کے ماتھے پر شکنیں نمودار ہوئیں باقی گھر والے بھی خاموشی سے بات سننے لگے۔

"زِمل آپ کی بیٹی ہے ریحانہ، جو آپ اُس کے لیے فیصلہ لیں گی وہ بہتر ہو گا اِسی لیے جیسے آپ چاہیں۔" امین علی نے ریحانہ بیگم کو مخاطب کر کے بولا۔

"بھائی صاحب زِمل بھلے ہی میری بیٹی ہے لیکن اُس پر سب سے زیادہ محنت آپ دونوں نے کی ہے اِسی لیے اِس فیصلے کا اختیار بھی میں آپ دونوں کو دیتی ہوں۔آپ لوگوں کو جو مناسب لگ رہا ہے اِس سلسلے میں وہ آپ لوگ کریں مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔" ریحانہ بیگم نے نرمی سے اُن دونوں کو مان بخشا۔

ازمیر نے اُن تینوں کو دیکھا پھر اُن ماں بیٹے کو دیکھا جو یہاں رشتہ لے کر آئے تھے۔

پھر اُس نے امین علی کو دیکھا جنہوں نے خاموش لبوں اور بولتی آنکھوں سے اُسے اجازت دی جو وہ اُن سے آنکھوں ہی آنکھوں میں مانگ رہا تھا۔

"بہت شکریہ آپ کا کہ آپ لوگوں نے ہماری زِمل کو پسند کیا اور ہمیں یہ اعزاز بخشا لیکن وہ ابھی بہت چھوٹی ہے فی الحال ہم اُس کی شادی کا ارادہ نہیں رکھتے۔" دوٹوک الفاظ میں اُس نے اُنہیں انکار کر دیا وہ لوگ اصرار کرنے لگے لیکن پھر آخر میں امین علی نے خود ہی معاملہ ختم کر دیا اور وہ لوگ چلے گئے تو سب نے شکر کا سانس لیا اور اُس کی اٹکی سانس بھی بحال ہوئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کا وقت تھا وہ دونوں اِس وقت زِمل کے کمرے میں بیٹھی شام کو ہونے والا واقعہ دہرا رہی تھیں۔

"فاخرہ باجی بتا رہی تھیں کہ میرو بھیا نے رشتے سے انکار کیا ہے۔" دانیہ اپنی ملازمہ کا نام لیتے ہوئے اُسے کہانی سنانے لگی جو فاخرہ نے میز پر ناشتہ لگاتے ہوئے دیکھی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"اور یہ بھی کہہ رہی تھی کہ بھائی جیلس ہو رہے تھے۔" وہ اُسے چھیڑنے کی کوشش کرنے لگی۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو۔ازمیر جیلس کیوں ہوں گے اور ماما سے پوچھا تھا میں نے وہ کہہ رہی تھیں کہ اُنہوں نے میری پڑھائی کی وجہ سے انکار کیا ہے اور بہت اچھا کیا اُنہوں نے جو انکار کر دیا۔" وہ پُر سکون نظر آ رہی تھی۔

"ویسے زِمل میں ایک بات سوچ رہی ہوں۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

"ہمم۔۔ کہو۔" وہ ہاتھ میں چپس لیتے ہوئے بولی۔

"اگر تم بھائی سے شادی کر لو اور میری بھابھی بن جاؤ تو کتنا مزہ آئے گا۔ہم ساری زندگی ساتھ رہیں گے۔" وہ شرارتی انداز میں بولی لیکن دل ہی دل میں وہ یہ چاہتی تھی کہ اُن دونوں کی شادی ہو جائے۔

زِمل کو تو یقین ہی نہیں آیا وہ کیا کہہ رہی ہے۔اُس نے اپنا تکیہ اُٹھایا اور اُسے کھینچ کر مارا اب پیچھے اُن دونوں کی نوک جھونک شروع ہو چکی تھی۔

لیکن آج زِمل نے اپنے دل میں ایک عجیب سی کشمکش محسوس کی تھی۔کیا۔۔۔

یہ سمجھنے سے فی الحال وہ قاصر تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

والیہ کا ولیمہ ہوئے چار دن گزر چکے تھے اب وہ اپنے خاندان کی دعوتوں میں مصروف تھی اِسی لئے اُس نے میکے آنے سے فی الحال انکار کر دیا تھا جو سب نے باخوشی قبول کر لیا تھا۔

ابھی صبح کے دس بج رہے تھے کراچی کے ایک چھوٹے سے محلے میں اس وقت بچوں کا شور، رکشے اور موٹر سائیکل کی آوازیں، لوگوں کا رش اس بازار کو مصروف رکھے ہوئے تھا اب ایسے میں اگر قریب جا کر دیکھو تو ایک دکان دار سے سبزی پر بحث کرتی ہوئی وہ نظر آئی۔

"ارے باجی مہنگائی تو دیکھو ذرا، اب دس روپے کی مرچیں نہیں آتی بیس روپے کی لے لو۔" وہ پچھلے دس منٹ سے اُس سے بحث کر رہی تھی اب وہ بیچارہ پریشان ہو گیا تھا۔

"کتنی بار کہہ چکی ہوں، کل وہ برابر والے سے لے کر گئی تھی دس روپے کی، آج اُس نے ٹھیلا نہیں لگایا اِسی لیے تم سے لینے آگئی ہوں، جلدی سے دس کی مرچیں، ایک دھنیے کی گڈی، بیس کے ٹماٹر اور بیس کے آلو دے دو۔" وہ ایسے کہہ رہی تھی جیسے سامنے والے کی بات اُس کے لیے بالکل بیکار تھی یا اُسے وہ اِس وقت بے وجہ لگ رہی تھی۔

"باجی اِسی لیے کہہ رہا ہوں روز روز آؤ گی، اچھا ہے آج زیادہ لے جاؤ کل آنا نہیں پڑے گا۔"

وہ ہر حال میں اپنی سبزی بیچنے میں لگا ہوا تھا۔

"اچھا بھائی آپ نہیں دے سکتے کوئی بات نہیں میں آگے سے لے لوں گی۔" ابھی وہ جانے ہی لگی تھی کہ برابر ٹھیلے پر کھڑے ایک لڑکے کی آواز سنائی دی جو بلاوجہ ہی اُس کے معاملے میں بول کر اب اپنی شامت بلا چکا تھا۔

"پتا نہیں کہاں سے آجاتے ہیں ایسے کنجوس لوگ اور ایک تو یہ عورتوں نے جانے کونسا ٹرینڈ بنالیا ہے دکانداروں سے سبزی، کپڑے کے بدلے سودے بازی کر کے ہنسی مذاق کرتی ہیں اور اگر کوئی کچھ کہہ دے تو آگے سے کہتی ہیں کہ اِس نے ہمیں چھیڑ دیا۔ اونہہ!" وہ لڑکا بولا تو زہر اگلتا چلا گیا اور اُس کے لہجے میں ایسی تحقیر تھی کہ زِمل کی ناک لال اور کان کی لوئیں غصے اور شرمندگی سے سرخ ہو گئیں۔ ابھی وہ مزید کچھ کہتا کہ وہ اُس کی جانب مڑی اور بولی۔

"تم بھی بہت ہی فارغ انسان ہو جو بجائے اپنے کام کرے دوسروں کی ذات پر تبصرے کر رہا ہے، اور پھر کہتا ہو عورتیں ایسی ہیں۔ بھئی تم کون ہو جو ہمیں بول رہے ہو اپنے آپ کو دیکھ لو

پہلے خود سے تو کچھ ہو نہیں رہا باتیں کروالو بس۔" وہ بھی طنز کرتی ہوئی آگے بڑھنے لگی کہ وہ اُس کے سامنے آگیا۔

"اب بولو کیا بول رہی ہو۔ زیادہ زبان چلنے لگی ہے آج کل کی لڑکیوں کی پتا نہیں گھر والے اِنہیں تمیز کیوں نہیں سکھاتے منہ اُٹھا کر گلی محلوں میں تماشے لگانے نکل جاتی ہیں۔" وہ تحقیر آمیز لہجے میں بولا دوسری جانب اُس نے ہاتھوں کی مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تم ضرورت سے زیادہ بول رہے ہو۔ بدلحاظ ہونے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ میں تمہارا وہ حال کروں گی یاد رکھو گے، پھر کہو گے لڑکی نے مار دیا بہتر ہے اپنی انا کو سلامت رکھنا چاہتے ہو تو میرا راستہ چھوڑ دو۔" وہ سخت لہجے میں بولی لیکن مقابل ڈھیٹ ثابت ہوا اور بجائے راستہ دینے کے اُس کی کلائی پکڑ لی۔ سارے بازار میں لوگ جمع ہونے لگے لیکن کوئی بھی اُس لڑکے کو سمجھا نہیں رہا تھا سب تماشہ دیکھنے لگے۔

اور ابھی وہ کچھ سمجھ پاتا کہ "چٹاخ۔۔" اُس کا گال تھپڑ سے سرخ ہو گیا۔

"شرم آنی چاہیئے تمہیں عورت کے بارے میں ایسے الفاظ ادا کرتے ہوئے۔ تم اگر راہ چلتی لڑکی کی کلائی پکڑ رہے ہو تو تربیت پر سوال میری نہیں تمہاری اُٹھتا ہے اور میں یہ نہیں کہوں

گی کہ تمہاری ماں نے تمہیں نہیں سکھایا اُنہوں نے یقیناً سکھایا ہو گا لیکن تمہارے مزاج میں ہی عورت کی عزت کرنا شامل نہیں ہے اور تم جیسوں کی وجہ سے ہی عورتیں گھروں تک محدود ہو گئی ہیں۔ آج کے بعد کسی لڑکی کی کلائی پکڑنے کا خیال آئے تو اِس تھپڑ کو یاد کر لینا اور گھر میں تمہارے جیسے سڑک چھاپ کو بیٹھ جانا چاہیے، جو نا گھر والوں کو سکون دے سکتا ہے اور نا اپنے آس پاس کے لوگوں کو تحفظ فراہم کر سکتا ہے اور آج کے بعد کسی کے بارے میں کوئی رائے مت دینا۔ اپنے کام سے کام رکھو دوسرے کیا کرتے ہیں یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے لگی تھی کہ وہ لڑکا تیزی سے پلٹا اور اُسے دھکا دینے کی غرض سے آگے بڑھا اور ابھی اُسے چھُوتا کہ ایک اور تھپڑ اُس کے گال پر پڑا اور اب کی بار وہ لڑکھڑا کر پیچھے ہٹا کیوں کہ یہ مار پہلے سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔ زِمل بھی سامنے دیکھنے لگی جہاں وہ کھڑا تھا۔

اُسے محلے کے ایک بچے نے گھر جا کر بتایا تھا کہ زِمل کا کسی سے بازار میں جھگڑا ہو گیا ہے اور وہ تیزی سے بازار کی جانب لپکا اور یہاں پہنچتے ہی جو منظر اُس نے دیکھا وہ اُس کے اشتعال کو بڑھانے کے لیے کافی تھا۔

"تمہاری ہمت کیسے ہوئی اِسے نقصان پہنچانے کی؟ تم شکر کرو یہ صحیح سلامت ہے اگر اِسے ایک خراش بھی آجاتی تو تمہارا میں وہ حشر کرتا کہ تم خود بھی اپنے آپ سے نفرت کرنے پر مجبور ہو جاتے۔" اتنا کہہ کر اِس نے اُسے زور سے دھکا دیا وہ جا کر گرا اور زِمل کی کلائی تھام کر اُسے اپنے سامنے کیا۔

"تم ٹھیک ہو؟ اتنی بار تمہیں سمجھایا ہے کہ بازار اکیلی مت آیا کرو لیکن نہیں تمہیں تو بہت شوق ہے خود کو بہادر ثابت کرنے کا۔ اب چلو۔" پہلے نرمی سے پوچھنے کے بعد اُسے تھوڑا سخت لہجے میں کہا تاکہ وہ اپنی غلطی کو ماننے بجائے ایک نیا طوفان کھڑا کرنے کے۔ وہ جواب میں کچھ نہیں بولی اور خاموشی سے اُس کے ساتھ واپس گھر آگئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

گھر آکر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی جانتی تھی ناراض ہو کر دکھانا بہت ضروری تھا ورنہ ایسے حالات میں سنجیدگی کا لبادہ اوڑھنا اُس کے لیے اور مشکل ہو جاتا تھا لیکن اپنے آپ کو منوانے کے لیے فی الحال اُسے یہ کرنا تھا اگر وہ یہ نہیں کرے گی تو زمیر ویسے ہی اب تک ساری روداد تایا ابا کو سنا چکا ہو گا اُن کے سامنے اُس کی ساکھ کو نقصان پہنچے یہ وہ برداشت نہیں کر سکتی

تھی۔اِسی لیے سہ پہر کا کھانا بھی اُس نے نہیں کھایا تھااور رات کے کھانے کے لیے بھی میز پر نہیں آئی تھی سارا گھر اب پریشان ہو چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کھانے کے بعد امین علی نے اپنے اکلوتے بیٹے کو اپنے کمرے میں بلایا تاکہ سارا معاملہ جان سکیں۔

"زِمل کو کیا ہوا ہے؟"اُس کے وہاں آنے کے بعد وہ سیدھا مدعے پر آئے تھے۔

"کچھ نہیں بابا اُس کا بچپنا ہے جو ختم نہیں ہو رہا آج بھی بازار میں ایک لڑکے کو تھپڑ مار دیا میں وقت پر نا پہنچتا تو پتا نہیں آج اُسے کیا ہو جاتا۔آپ پلیز اُس سے اِن معاملات پر سنجیدگی سے بات کریں،اگر اُسے کچھ ہو گیا تو ہم کیا کریں گے۔وہ پتا نہیں کیوں نہیں سمجھتی کہ وہ ہمارے لیے کتنی اہم ہے۔"وہ جیسے پھٹ پڑا تھا اتنے سالوں میں وہ کبھی نہیں بولا تھا،لیکن آج اپنے باپ کے سامنے بول رہا تھا وہ اُن سب کی لاڈلی تھی۔اگر اُسے کچھ ہو جاتا تو وہ سب کیا کرتے اِسی لیے اُس نے سوچا تھا کہ اب وہ اُسے سمجھائیں تاکہ آئندہ وہ ایسی حرکت نا کرے۔

"ٹھیک ہے میں اُس سے بات کروں گا۔ تم جاؤ۔" انہوں نے بات ختم کر دی تھی وہ جانے لگا اور پھر پلٹا جیسے کچھ یاد آ گیا ہو۔

"وہ صبح سے بھوکی ہے اور میرے علاوہ وہ صرف آپ کے کہنے سے کھانا کھائے گی اِس لیے آپ اُسے کھلا دیں۔" اتنا کہہ کر وہ واپس جانے لگا کہ اُن کی آواز آئی۔

"وہ مجھ سے زیادہ تمہاری مانتی ہے۔"

"میں جانتا ہوں لیکن ابھی میں اُس کے پاس جاؤں گا تو وہ کھانا نہیں کھائے گی اور ناراض ہو جائے گی اِسی لیے آپ اُسے کھلا دیں۔" اتنا کہہ کر وہ چلا گیا پیچھے وہ مسکرانے لگے۔

☆☆☆☆☆☆☆

تایا امین کے کہنے پر وہ اب اُن کے کمرے میں بیٹھی کھانا کھا رہی تھی، جو وہ اُسے اپنے ہاتھ سے کھلا رہے تھے اور ساتھ میں اُس سے چھوٹی چھوٹی باتیں کر رہے تھے تاکہ وہ سکون سے کھانا کھا لے اور وہ دل میں یہی سوچ رہی تھی کہ کاش ازمیر نے تایا سے اُس کی شکایت نا کی ہو وہ اکیلے میں اُس سے معافی مانگ لے گی۔ بس تایا کو کچھ پتا نا چلے، ابھی وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اُن کی آواز اُس کے کانوں سے ٹکرائی۔

"زِمل آج جو کچھ بھی ہوا میں اُس بارے میں تم سے سوال کر کے تمہیں شرمندہ نہیں کروں گا اور نا ہی تمہیں کوئی نصیحت کروں گا کیوں کہ میں جانتا ہوں میری بیٹی کبھی کچھ غلط نہیں کر سکتی۔ بس تم سے ایک گزارش کرنا چاہتا ہوں بیٹا اپنا خیال رکھا کرو اگر تمہیں کچھ ہو گیا تو ہم جی نہیں پائیں گے۔" وہ اُن سے ڈانٹ کی توقع کر رہی تھی لیکن اُنہوں نے تو جیسے ساری بات ہی ختم کر دی تھی۔ وہ اُن کے اس قدر جذباتی جملوں سے شرمندگی کے گہرے احساس سے دوچار ہوئی۔ اُسے افسوس ہوا کہ تایا اُس کی وجہ سے اُداس ہوئے تھے وہ کچھ اور زمین میں گڑھ گئی تھی، پھر اُٹھ کر اُن کے پاس آئی اور اُن کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور نرمی سے دبایا پھر کہنے لگی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا آپ میری وجہ سے دکھی ہوں گے۔ میں کوشش کروں گی آئندہ ایسا نا کروں۔ آج کے لیے معاف کر دیں مجھ سے غلطی ہو گئی مجھے ازمیر کی بات ماننی چاہیے۔" وہ نرمی سے کہہ رہی تھی لیکن آنکھوں میں نمی چمک رہی تھی اور یہ بات تو سامنے بیٹھے ہوئے امین علی بھی جانتے تھے کہ چاہے وہ کتنی بھی شرارتی کیوں نا ہو لیکن بدتمیز نہیں تھی اور اُن کی تکلیف پر تو ویسے ہی وہ سب سے زیادہ اُداس ہو جایا کرتی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"نہیں میرا بیٹا میں نے آپ سے اِس لیے نہیں کہا کہ آپ مجھ سے معافی مانگیں بلکہ اِس لیے کہا کہ آپ آئندہ اتنی بے احتیاطی نا کریں اور اپنا خیال رکھیں۔ ہم سب کے لیے آپ بہت اہم ہیں اِسی لیے ہم سب چاہتے ہیں آپ کو کچھ نا ہو۔ اب جائیں جا کر آرام کریں رات بہت ہو گئی ہے۔" وہ پیار سے کہتے ہوئے اُس کے بالوں کو نرمی سے سہلانے لگے اور پھر اُسے آرام کی تاکید کر کے اپنی عینک اُتارنے لگے اور وہ اُن کے ہاتھ چوم کر انہیں "اللہ حافظ" کہہ کر وہاں سے اُٹھ گئی اور کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی تو سامنے سے ناہید تائی اپنے کمرے کی طرف آ رہی تھیں اُسے دیکھ کر نرمی سے مسکرائیں اور اُس کے سر پر پیار کر کے اپنے کمرے میں چلی گئیں اور وہ بھی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

دو دن تک اُس کا ازمیر سے کوئی سامنا نہ ہوا اور اُس نے اِس بات پر شکر ادا کیا کیوں کہ جو کچھ ہوا تھا وہ اِس کے بعد اُس کا سامنا نہیں کر پا رہی تھی۔ دانیہ اپنے کالج کی طرف سے ایک سمر کیمپ پر گئی ہوئی تھی اِسی لئے آج کل عباس منزل میں خاموشی کا راج تھا۔

تایا ابو اِس وقت اپنے آفس میں تھے، ناہید بیگم اور ریحانہ بیگم بازار گئی ہوئی تھیں۔

Clubb of Quality Content

امین علی کا اپنا بزنس تھا لیکن کسی پوش علاقے میں رہنے کے بجائے وہ اِس چھوٹے محلے میں بنے اپنے اِس گھر میں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے جو اُن کے والد نے بہت محبت سے بنایا تھا۔

ابھی وہ عباس منزل کی بالائی منزل پر بنے ٹیرس پر کل کے واقعے کے بارے میں سوچ رہی تھی کہ اپنے کمرے سے نکلتے ہوئے ازمیر کی اُس پر نظر پڑی وہ آہستہ سے اُس کی جانب بڑھا اور ساتھ آکر کھڑا ہو گیا۔

وہ اپنی سوچوں میں مگن تھی کہ اُس کے کولون کی مہک کو محسوس کر کے برابر میں دیکھا وہ مسکرایا۔

"اسلام علیکم۔" نظریں جھکائے سلام کیا گیا۔

"وعلیکم اسلام۔ کہاں غائب ہو آج کل؟" سلام کا جواب دے کر نرمی سے پوچھنے لگا۔

"یہیں ہوں۔ وہ دانی گئی ہوئی ہے تو اُسے یاد کر رہی ہوں۔" نظریں اب بھی نہیں اُٹھائی تھیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"چلو وہ بس کل تک آجائے گی پھر تمہاری اُداسی بھی ختم ہو جائے گی۔زِمل مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" پہلے ہلکے پھلکے انداز میں بول کر آخر میں سنجیدگی کا لبادہ اوڑھے وہ اُس کی طرف نرم نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جی کہیں۔" وہ بس اتنا ہی بول پائی وہ دو دن سے جس موضوع سے بچنا چاہ رہی تھی وہ یکدم سامنے آگیا تھا۔

"کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟" وہ اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ نظریں جھکا کر بات کیوں کر رہی تھی اِسی لیے حفظ ماتقدم یہی سوال پوچھنا مناسب لگا آیا کہ وہ ناراض نا ہو اور اُس کے سوال اُسے مزید خفگی کا شکار نا کر دیں۔

"نہیں۔" یک لفظی جواب دیا گیا نظریں ہنوز نیچے فرش کو گھور رہی تھیں۔

"پھر ایسے کیوں جواب دے رہی ہو؟" وہ پوچھے بنا نا رہ سکا۔

"بس ویسے ہی۔" نظریں اب بھی نیچے کی جانب جھکی ہوئی تھیں۔

"مجھے نہیں پتا زِمل تم کیا سوچ رہی ہو لیکن میں اپنے رویے کے لیے تم سے معذرت کرتا ہوں۔ایک بات جو میں تمہیں کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم اور دانیہ ہمارے گھر کی رونق ہو

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

اگر تم دونوں کو نقصان پہنچتا ہے تو ہمیں تکلیف ہوتی ہے۔اپنا خیال رکھا کرو اگر اُس دن میں نا آپاتا تو کیا ہو سکتا تھا تمہیں اندازہ بھی ہے اِس سوچ نے مجھے پریشان کر دیا تھا اِسی لیے میں تم پر غصہ ہو گیا تھا۔مجھے اُمید ہے تم آئندہ خیال رکھو گی اور ناراض ہونے کے بجائے مجھے سمجھو گی۔"اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوا۔

زِمل نے اِسی پل نظریں اُٹھائیں وہ آنکھوں میں سنجیدگی لیے اُسی کی جانب دیکھ رہا تھا،اُس کے دیکھنے پر مسکرایا اُس کے ہونٹوں کا گڑھا واضح ہوا وہ بھی جواباً مسکرائی اور سر اثبات میں ہلایا لیکن آج پہلی بار زِمل کو اُس کا چہرہ نیا لگا،وہ بھی سر کو خم کر کے اُس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد وہاں سے ہٹ گیا اور سیڑھیاں اُتر کر لمحوں میں وہاں سے غائب ہو گیا۔پیچھے وہ اکیلی کھڑی رہ گئی تھی،لیکن بار بار اُس کا ذہن بھٹک کر اُس کی طرف جا رہا تھا،وہ اُس کے لیے فکر مند تھا لیکن کیوں؟اور آج اُسے دیکھ کر وہ ایک عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی اور وجہ وہ جان نہیں پا رہی تھی،جس کی وجہ سے مزید جھنجھلاہٹ کا شکار ہونے لگی۔

☆☆☆☆☆☆☆

دانیہ کو واپس آئے تین دن ہو چکے تھے سردیوں کی سرد شام تھی آج وہ دونوں رات کا کھانا باہر کھانے کا ارادہ کر رہی تھیں لیکن مسئلہ وہی تھا کہ انہیں کوئی باہر جانے نہیں دے رہا تھا۔

"پلیز تایا ابو جانے دیں نا۔" زِمل انصاری کی ساری کوششیں ناکام ہو چکی تھیں اِسی لیے اب وہ امین علی سے کہہ رہی تھی جو اُن دونوں کو قطعاً اکیلے بھیجنا نہیں چاہ رہے تھے۔

"نہیں زِمل اُس حادثے کے بعد سے میں تم دونوں کو اکیلے کہیں نہیں بھیج سکتا جو کھانا ہے گھر پر منگوا لو ورنہ منیر (ملازم) سے کہو باہر سے جا کر تم دونوں کے لیے کھانا لے آئے۔"

اُنہوں نے دو ٹوک الفاظ میں بات ہی ختم کر دی تھی اب اُن کے پاس کوئی چارہ نہیں تھا اِسی لیے خاموشی سے اُٹھ گئیں۔

ابھی وہ اپنے کمرے کی جانب جا رہی تھیں کہ دروازے سے ازمیر اور فائق اندر داخل ہوتے نظر آئے۔

"میر آج کیا موسم زیادہ سرد ہے یا کچھ لوگوں کا مزاج؟" وہ دیکھ سامنے رہا تھا لیکن مخاطب ازمیر سے تھا۔

Clubb of Quality Content

"زِمل اگر کسی کو قتل نہیں ہونا اِس وقت تو بہتر ہے وہ جس کام کے لیے آیا ہے وہ کرے اور جائے۔" دانیہ جو پہلے ہی جلی ہوئی تھی فائق کے جملے نے اُسے مزید مشتعل کر دیا اِسی لیے جلے کٹے انداز میں بولی۔

"ارے ضرور ضرور دانیہ جی! آپ تو ہر وقت ہی قتل کرتی ہیں۔" وہ شرارتی انداز میں میر کی جانب دیکھ کر بولا جِس نے اُس کی بات پر نفی میں سر ہلایا اور آگے بڑھ کر دانیہ سے پوچھنے لگا، جو ابھی اُسے کوئی اُلٹا جواب دینے کا ارادہ کر رہی تھی ازمیر کو اپنے سامنے دیکھ کر اُس کی جانب پلٹی۔

"کیا ہوا ہے تم دونوں کو؟" پوچھا گیا۔

"بھائی ہمیں باہر کھانا کھانے جانا تھا لیکن بابا جانے نہیں دے رہے۔" بتایا گیا۔

"کیوں، کھانا کھانے میں کیا مسئلہ ہے؟" وہ حیران ہوا تھا کہ اُس کے والد اُن دونوں کو منع کیسے کر سکتے تھے۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

"مسئلہ ہے زِمل بی بی کا چند روز پہلے والا کارنامہ جِس کی وجہ سے مجھ پر بھی ناکہ بندی لگ چکی ہے۔" وہ جیسے بول رہی تھی ازمیر اور فائق دونوں ہنس پڑے لیکن جب اُن دونوں کے تاثرات دیکھے تو فوراً سیدھے ہوئے۔

"اچھا ٹھیک ہے پریشان مت ہو میں لے چلتا ہوں تم لوگوں کو، جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ۔" وہ خوش دِلی سے اُنہیں دعوت دیتے ہوئے بولا۔

"نہیں ہم نہیں جا رہے۔ کسی اور دن چلے جائیں گے ابھی ہمیں کچھ کام ہے اور ویسے بھی جب تایا ابو نے منع کر دیا تو جانا بے کار ہے۔" جواب دانیہ کے بجائے زِمل کی جانب سے آیا جو جواب دے کر منہ دوسری طرف کر چکی تھی (وہ خود بھی اپنی کیفیت سمجھنے سے قاصر تھی لیکن جب بھی ازمیر اُس کے سامنے آتا تھا تو اُسے غصہ آتا تھا یا اُس سے چِڑنے لگتی تھی) اور اُس کے جواب نے صرف فائق اور ازمیر کو ہی نہیں بلکہ دانیہ کو بھی چونکایا تھا۔ اب وہ تینوں اُس کی طرف دیکھ رہے تھے جو اُنہیں مکمل نظر انداز کر رہی تھی۔

"کیوں ابھی تو تم بابا سے بول رہی تھی جانے دیں اور اب جب میر و بھیا لے کر جا رہے ہیں تو منع کر رہی ہو۔" زِمل سے دوستی اپنی جگہ لیکن وہ اپنے بھائی کے لیے اُس سے انکار نہیں سُن سکتی تھی اِسی لیے فوراً بولی۔

"میں تایا ابو سے اکیلے جانے کا کہہ رہی تھی، اُنہوں نے منع کر دیا اب مجھے کہیں نہیں جانا اور ویسے بھی مجھے کچھ کام ہے اور دانی کل تمہارا پریکٹیکل ہے نا چلو تیاری کرو۔" دوٹوک انداز میں ناک سے مکھی اُڑائی اور اُن سب کو پیچھے چھوڑ کر وہ وہاں سے نکل گئی۔

"بھیا وہ شاید بابا کی وجہ سے اُداس ہو گئی ہے۔ بابا نے اُسے منع کر دیا تھا اِسی لیے ہم سے بھی خفا ہو گئی ہے آپ پریشان مت ہوں۔ وہ تھوڑی دیر میں خود ٹھیک ہو جائے گی۔" دانیہ جو پیچھے کھڑی تھی زِمل کے ایسے انداز پر اپنے بھائی کو فوراً صفائی دینے لگی اور پیچھے فائق کو دیکھ کر مزید شرمندہ ہو گئی تھی۔ ازمیر جو اُس کا رویہ سمجھنے سے قاصر تھا دانیہ کی بات پر اُس کی جانب متوجہ ہوا۔

"کوئی بات نہیں۔ بابا سے زیادہ اُنس رکھتی ہے وہ اِسی لیے اُن کا انکار کرنا اُسے برا لگا ہو گا۔ تم رکو میں اُسے لے کر آتا ہوں۔" وہ اندر سے بہت برا محسوس کر رہا تھا۔ فائق اُس کا بچپن کا

دوست تھا لیکن پھر بھی اُسے اِس وقت اُس کے سامنے زِمل کے ایسے رویے کی وجہ سے سبکی محسوس ہو رہی تھی لیکن پھر بھی زِمل سے زیادہ ضروری تو کچھ نہیں تھا نا۔

"او کے بھائی۔" اتنا کہہ کر وہ اپنے کمرے میں تیار ہونے چلی گئی جانتی تھی اب ازمیر جائے گا تو وہ انکار نہیں کرے گی اور یہی ہوا تھا کچھ دیر بعد وہ تیار ہو کر آ گئی تھی اور پھر وہ چاروں باہر کھانا کھانے گئے اور وہیں سے لانگ ڈرائیو پر بھی چلے گئے اور ایک اچھا وقت گزار کر وہ لوگ رات کو دیر سے گھر لوٹے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

فروری یونہی پر لگا کر گزر گیا۔ وہ دونوں بھی اب بالکل سنجیدہ نظر آنے لگی تھیں اور اب تو اُن کا زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں ہی گزرتا تھا کیوں کہ دونوں کے بارہویں جماعت کے پرچے شروع ہونے میں بس ایک ہفتہ باقی رہ گیا تھا اور پھر رمضان بھی شروع ہونے والے تھے۔

ازمیر بھی اِس سارے وقت میں کافی مصروف رہا تھا کیوں کہ وہ بھی اپنا بزنس باہر ملک میں شروع کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ چاہتا تھا اُس کا کاروبار بین الاقوامی سطح پر کام کرے اِسی سلسلے میں اُس کی بھاگ دوڑ لگی ہوئی تھی۔

امین علی اور فائق کے علاوہ ابھی یہ بات اور کوئی نہیں جانتا تھا اور ناہید بیگم کو بتانا بھی ایک مسئلہ تھا جو اپنے بچوں کو دیارِ غیر میں بھیجنے سے ڈرتی تھیں۔

آج اتوار کا دن تھا صبح سے ہی عباس منزل میں ہلچل مچی ہوئی تھی وجہ ازمیر اور امین علی کا گھر پر ہونا تھا۔

وہ دونوں چھٹی پر تھے اور گھر کی خواتین کا کام بڑھ گیا تھا۔

سب گھر والے ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے، دانیہ سو رہی تھی، زِمل نے اپنے کمرے میں ہی ناشتہ کیا تھا اور باقی سب نے باہر کھانے کی میز پر ناشتہ کیا تھا۔

سہ پہر کا وقت تھا۔ دانیہ کا اُٹھنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اور زِمل اُسے جگانے کی ہر ممکن کوشش کر چکی تھی جب وہ نا اُٹھی تو اُس نے بیڈ سائیڈ ٹیبل پر پڑا پانی کا جگ اُٹھایا اور اُس کے اوپر ڈال دیا۔

سردیاں جا چکی تھیں، لیکن موسم کی خنکی ہنوز برقرار تھی اور ساری رات کا رکھا جگ اوپر سے کمرے میں موجود چلتا ہوا اے سی ماحول کو سرد کر رہا تھا۔ ایسے میں ایک دم سوئے ہوئے شخص پر پانی ڈالنا اپنے لیے آ بیل مجھے مار والی مثال کے مترادف تھا۔

دانیہ ایک دم نیند سے جاگی اور کچھ بھی سوچے سمجھے بغیر شب خوابی کے لباس میں اُس کے پیچھے بھاگی۔

زِمل جو اِس وقت ٹی شرٹ ٹراؤزر میں ملبوس، لمبے سیاہ بال کمر پر پھیلائے، سیاہ آنکھوں اور مڑی ہوئی پلکوں کے ساتھ پر کشش لگ رہی تھی تیزی سے باہر کی جانب بھاگی۔

دانیہ سے بچنے کے چکر میں اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ نیچے کی جانب بھاگنے لگی۔ تیزی سے بھاگتے ہوئے وہ کچن کی طرف بڑھی اور سامنے سے کافی ہاتھ میں لیے وہ باہر نکل رہا تھا وہ ایک دم اُس سے ٹکرائی اور کافی چھلک کر ازمیر کے ہاتھ پر گر گئی جو اُس کی کھال کو جھلسا گئی۔

Clubb of Quality Content

دانیہ جو پہلے ہی اپنے بھائی کو دیکھ چکی تھی اپنی جگہ ہی رُک گئی تھی۔ازمیر نے اپنے ہاتھ کو نظر انداز کر کے پہلے دانیہ کو دیکھا جو بھاگ گئی تھی اور پھر اُسے دیکھا جو ابھی تک شب خوابی کے لباس میں بھاگ رہی تھی پھر اُس کے ہاتھ دیکھے کہ کہیں وہ جل نا گئے ہوں اِس ساری کارروائی کے دوران اُس نے نظریں نہیں اُٹھائی تھیں کیوں کہ وہ جانتی تھی وہ اُسے کچھ نہیں کہے گا لیکن پھر بھی اگر اُسے آج اُس پر غصہ آگیا تو۔۔۔

"زِمل یہ کیا طریقہ ہے۔تم دونوں ایک دوسرے پر ایسے موسم میں پانی پھینک رہے ہو،اگر تم لوگ بیمار ہو گئے تو امتحان کیسے دو گے اور اپنے ہاتھ دکھاؤ مجھے کہیں جل تو نہیں گئے۔"اُس دن کے بعد سے اُن دونوں کی ملاقات نہیں ہو پا رہی تھی اور یہ کوئی اتفاق تھا یا نہیں لیکن جب بھی وہ کوئی شرارت کرتی تھی سامنے ازمیر ہوتا تھا۔اب بھی وہ اُس کے سامنے تھا اور وہ سوچ رہی تھی شاید آج اُسے ڈانٹ پڑے گی لیکن ایسا نہیں ہوا وہ فکر مندی سے اُسے اپنے ہاتھ دکھانے کو کہہ رہا تھا۔

"نہیں میرے ہاتھوں پر کافی نہیں گری۔"وہ اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"اوکے۔جاؤ جا کر پڑھائی کرو اور ایسے بھاگو مت کہیں تمہیں چوٹ نا لگ جائے۔"اتنا کہہ کر وہ سامنے سے ہٹ گیا اور سامنے پڑی میز پر بیٹھ گیا۔ہاتھ تکلیف سے اب جل رہا تھا لیکن وہ اُس کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہ رہا تھا جانتا تھا وہ پریشان ہو جائے گی۔وہ بھی مڑ کر اب اُسے دیکھنے لگی۔

"کیا ہوا؟"اُسے نہیں پتا تھا کہ کافی اُس کے بجائے ازمیر کے ہاتھوں پر گری تھی۔

"کچھ نہیں۔ تم اپنے کمرے میں جاؤ چچی آئیں گی تو تیاری نا ہونے پر تمہیں ڈانٹ پڑے گی۔"
وہ اُسے وہاں سے بھیجنا چاہ رہا تھا تاکہ اپنا ہاتھ دیکھ سکے لیکن وہ وہاں سے نہیں ہلی۔

"آپ کچھ پریشان لگ رہے ہیں۔ کیا کوئی پریشانی ہے آپ کو ازمیر؟" وہ اُس کے چہرے پر درد بھرے تاثرات دیکھ کر سمجھ نہیں پا رہی تھی آخر اُسے ہوا کیا ہے اِسی لیے فکر مندی سے پوچھنے لگی۔

"کوئی پریشانی نہیں ہے۔" وہ اتنا کہہ کر اب اپنا ہاتھ دیکھنے لگا کیوں کہ جانتا تھا وہ وہاں سے نہیں ہلے گی۔

"یہ آپ کے ہاتھ کو کیا ہوا؟" وہ اُس کا اپنا ہاتھ دیکھنا دیکھ چکی تھی اِسی لیے فوراً قریب آئی اور پوچھا ساتھ ہی اُس کا ہاتھ دیکھنے لگی جو اب لال ہو چکا تھا اور کہیں کہیں چھالے بن رہے تھے۔ وہ ایک دم بہت پریشان ہو گئی تھی پھر تیزی سے اندر گئی اور ایک آئس پیک اور برنز کریم نکال کر لائی۔

"یہ آئس پیک لگائیں اِس پر اور پھر یہ ٹیوب لگا لیں۔" وہ دونوں چیزیں ہاتھ میں لیے دیکھنے لگا پھر کچھ سوچ کر آئس پیک اُٹھایا کہ وہ اُس سے لے گئی۔

"یہ آپ کا کاروبار نہیں ہے جہاں سوچ سمجھ کر کام کرنا ہے۔یہ جل گیا ہے اور جلے پر فوراً مرہم لگایا جاتا ہے ورنہ آبلے پڑ جائیں گے اور کھال اُتر جائے گی۔" بولنے کے ساتھ ساتھ وہ آئس پیک لگانے کے بعد اب کریم لگا رہی تھی۔

"اب آپ اِسے کچھ دیر ایسے ہی چھوڑ دیں۔تھوڑی جلن ہو گی لیکن پھر ٹھیک ہو جائے گا اب آپ جا کر آرام کریں۔" اتنا کہہ کر وہ اُسے اُس کے کمرے میں چھوڑ آئی جانتی تھی چوٹ اُس کے ہاتھ پر آئی ہے پاؤں پر نہیں لیکن پھر بھی وہ چاہ رہی تھی وہ آرام کرے اگر وہ اُسے چھوڑنے نہیں جائے گی تو وہ پھر کسی کام میں لگ جائے گا۔کمرے میں چھوڑ کر اُسے وہ وہاں سے اُٹھ گئی اور کچن میں آ کر کافی بنانے لگی اور پھر اُسے کافی دے کے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی۔پیچھے وہ اکیلا رہ گیا تھا لیکن اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی بلاشبہ وہ ایک دوسرے کے بہترین دوست تھے لیکن کیا وہ واقعی دوست تھے؟

☆☆☆☆☆☆☆

رات کھانے کی میز پر سب بیٹھے کھانا کھا رہے تھے کہ وہ سب کی طرف دیکھنے لگا۔ناہید بیگم دانیہ،زِمل اور امین علی کو مختلف کھانے کی اشیاء دے رہی تھیں۔ریحانہ بیگم زِمل کو کسی بات

پر ڈانٹ رہی تھیں جس پر وہ عجیب طرح سے آنکھیں گھما رہی تھی اور امین علی اُسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

اُس نے گلا کھنکار کر سب کو اپنی جانب متوجہ کیا۔

"مجھے آپ سب سے ایک ضروری بات کرنی ہے کیا میں کر سکتا ہوں؟" سب نے حیرت سے اُسے دیکھا پھر ناہید بیگم نے آنکھوں سے اُسے کہنے کی اجازت دی۔

"میں کافی مہینوں سے لندن جانے کی تیاری کر رہا ہوں، دراصل میں اپنا بزنس باہر ممالک میں بڑھانا چاہتا ہوں اِسی سلسلے میں کافی وقت سے کام کر رہا تھا، بالآخر میرا ویزا آ گیا ہے اور دسویں روزے کو میری فلائٹ ہے پھر میں چلا جاؤں گا اور واپسی کا کچھ نہیں پتا جب تک میرا کاروبار وہاں جم نہیں جاتا تب تک میں واپس نہیں آ سکتا۔" وہ کہہ کر خاموش ہوا اور باقی سب کے تاثرات دیکھنے لگا جو ایسے تھے کہ کوئی بھی اُس کی بات سمجھنے سے قاصر تھا سوائے ایک شخص کے جو اطمینان سے کھانا کھا رہے تھے۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" ناہید بیگم سب سے پہلے بولیں جن کے لیے یہ ساری صورت حال سمجھ سے باہر تھی۔

"ماما جان میں بس یہ کہہ رہا ہوں کہ میں کچھ دنوں میں لندن جا رہا ہوں اور واپسی کا ابھی کچھ نہیں پتا۔ جب میرا کاروبار وہاں چلنے لگے گا تو میں واپس آ جاؤں گا۔" وہ اُنہیں پھر سے بتانے لگا۔

"وہ تو میں سمجھ گئی ہوں لیکن تم جا کس کی اجازت سے رہے ہو اور تم نے اتنا بڑا فیصلہ بغیر بتائے کیسے کر لیا؟" وہ سخت لہجے میں بولیں۔ باقی تمام لوگ خاموشی سے اُن دونوں کی گفتگو سن رہے تھے۔

"بابا سے مشورہ کر کے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے اور یہ ہم سب کی بہتری کے لیے ہے۔ اچھا ہے کاروبار بڑھے گا تو ہم سب کی زندگی اور بہتر ہو جائے گی اور ہماری آگے کی نسل کے کام آئے گا۔" وہ اُنہیں قائل کرنے کی کوشش کرنے لگا جو وہ کسی صورت نہیں ہونے والی تھیں۔

"مجھے تمہاری کوئی منطق سمجھ میں نہیں آ رہی۔ میں نے فیصلہ کر لیا ہے تم نہیں جاؤ گے اور اب ہم اِس بارے میں مزید کوئی بات نہیں کریں گے۔" وہ حتمی انداز میں بولیں اور ابھی وہ اُن کی بات کا جواب دیتا کہ خاموش بیٹھے امین علی بولے۔

"وہ آجائے گا جلد انشاءاللہ اور ضروری تو نہیں ہم ہر بار اپنے بچوں کے لیے ٹھیک فیصلہ کریں۔ وہ بڑا ہو گیا ہے اب، عقل رکھتا ہے اور اُسے اپنے لیے یہ بہتر لگ رہا ہے تو میں اُسے اِس کی اجازت دیتا ہوں۔ میں نے اپنے بچوں کو اُڑنے والے پر دیے ہیں اور اب وقت آچکا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں اُڑان بھریں۔ آپ اُس کی ماں ہیں اُسے کامیابی کی دعا دیں تاکہ وہ دیارِ غیر میں جا کر بھی خود کو محفوظ محسوس کرے۔" وہ نرمی سے اُنہیں سمجھاتے ہوئے بولے اور وہ خاموش ہو گئیں۔ جب کہ دل اُن کا اب بھی راضی نہیں تھا لیکن اُنہیں اپنے شوہر کی بات معقول لگ رہی تھی اِسی لیے ہتھیار ڈال دیے۔

وہ بھی اُن کے خاموش ہو جانے پر شکر ادا کرتے ہوئے وہاں سے اُٹھ گیا اور پھر سب بھی کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلے گئے اور وہ، جِسے اپنے کمرے میں جانا تھا آخری پرچے کی تیاری کرنے، وہ کمرے کے بجائے چھت پر چلی گئی اور پریشانی کے عالم میں ٹہلنے لگی۔

"اگر وہ چلے گئے تو میرا کیا ہو گا۔ میں اُن کے بغیر کیا کروں گی۔ میرا تو کوئی کام اُن کے بغیر نہیں ہوتا۔" ایسے کئی جملے اُس کے ذہن میں گردش کرنے لگے اور وہ وہیں ٹہلتی رہی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رمضان شروع ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔اُن دونوں کے امتحانات بھی ختم ہو گئے تھے اور اب وہ دونوں نتیجے کا انتظار کر رہی تھیں۔ازمیر کے جانے میں بس دو دن رہ گئے تھے۔یہ وقت اُس نے بہت اذیت میں گزارا تھا۔وہ ساری ساری رات جاگنے لگی تھی، نیند اُس کی آنکھوں سے کہیں دور چلی گئی تھی۔یہ وہ دس دن پہلے والی زمل کہیں سے نہیں لگ رہی تھی، یہ تو کوئی اور ہی تھی۔

دانیہ اُسے کئی بار باہر جانے کا کہہ چکی تھی۔اُن دونوں نے ارادہ کیا ہوا تھا جس دن امتحان ختم ہوں گے وہ دونوں باہر گھومنے جائیں گی، لیکن وہ کہیں باہر جانا تو دور اپنے کمرے سے باہر نکلنا بھی مشکل سمجھ رہی تھی۔

بہت اذیت اور تنہائی میں اُس نے یہ دس دن گزارے تھے۔وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اُسے ازمیر کا باہر جانا دکھ دے رہا ہے یا اپنا اکیلے رہ جانا زیادہ دکھ دے رہا ہے،اور بالآخر وہ ایک نتیجے پر پہنچ گئی۔

Clubb of Quality Content

وہ اِس سارے وقت میں اپنی دلی کیفیت کا اندازہ لگانے کی کوشش کرتی رہی اور پھر جو چیز وہ خود سمجھنے سے قاصر تھی وہ اُس کے چلے جانے کے خوف نے سمجھا دی تھی۔ زِمل انصاری کو ازمیر امین سے محبّت ہو گئی تھی، یا شاید بہت پہلے سے تھی اندازہ اُسے اب ہوا تھا۔

یہ احساس اِسے جیسے ہی ہوا اِس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اب اُس کے جانے سے پہلے اُس سے بات کرے گی۔

دس دن سے ہی ان دونوں کا سامنا نہیں ہوا تھا کیوں کہ وہ رات کو دیر سے آتا تھا اور جب وہ گھر پر ہوتا تھا تو وہ باہر نہیں نکلتی تھی، لیکن اب اُس نے سوچ لیا تھا چاہے ساری رات جاگنا پڑے وہ اُس کا باہر بیٹھ کر انتظار کرے گی اور اُسے اپنے دل کی بات بتا دے گی اور اُسے یقین تھا وہ اُسے انکار نہیں کر سکتا، وہ اُسے سمجھے گا اِسی بات کو سوچتے ہوئے وہ اُس کا انتظار کرنے لگی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ رات کو تین بجے گھر آیا جب سب سو چکے تھے۔ ناہید بیگم تو ہر وقت ہی اُس کے لئے پریشان رہنے لگی تھیں لیکن کہتی نہیں تھیں ورنہ وہ پریشان ہو جاتا۔

دانیہ بھی اُس کے جانے کی وجہ سے کافی اداس تھی لیکن وہ چاہتی تھی اُس کا بھائی خوب ترقی کرے بس ایک وہ ہی تھی جس کا دل پریشان ہو رہا تھا۔

وہ جیسے ہی گھر میں داخل ہوا وہ لاؤنج میں بیٹھی اُس کا انتظار کر رہی تھی۔ ابھی اِس کی آنکھ لگی تھی کہ دروازے کے کھٹکے کی آواز نے اُس کی نیند کو توڑا وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور سامنے دیکھا تو وہ کھڑا تھا، جو اُسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

"آپ۔۔۔" وہ آگے کچھ کہہ نہیں پائی، دونوں کی سیاہ آنکھیں ایک دوسرے کا عکس دیکھ رہی تھیں۔ وہ دونوں کئی راتوں کے جاگے ہوئے لگ رہے تھے لیکن اِس پل ایک دوسرے کو دیکھ کر جیسے ساری دنیا ہی کہیں پیچھے رہ گئی تھی۔

سیاہ آنکھوں میں سرخ ڈورے پھیلے تھے لیکن پھر بھی ایک دوسرے کا عکس واضح تھا۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرایا۔

"کیسی ہو زِمل؟" وہ اُس سے پوچھنے لگا کیوں کہ آج دس دن بعد اُسے دیکھ رہا تھا اور وہ اُسے بہت بیمار لگی تھی۔

"اچھی ہوں۔آپ کیسے ہیں؟" دل کیا وہ رو دے لیکن ضبط کرتے ہوئے بولی۔آج کسی صورت نہیں رونا تھا۔روتی تو وہ پہلے بھی نہیں تھی لیکن آج تو بڑا امتحان تھا وہ رو کر سب خراب نہیں کر سکتی تھی۔

"میں ٹھیک ہوں، لیکن تم مجھے بیمار لگ رہی ہو۔کیا ہوا ہے مجھے بتاؤ۔" وہ فکر مندی سے پوچھنے لگا جس کے سیاہ بال آج الجھے ہوئے اور آنکھیں ویران نظر آ رہی تھیں۔

"کچھ نہیں۔ایک بات بتائیں کیا آپ سچ میں جا رہے ہیں؟" کچھ سمجھ نہیں آیا کہ بات کہاں سے شروع کرے تو بے وقوفانہ سوال کر بیٹھی۔

"ہاں میں جا رہا ہوں۔" وہ اداسی سے بولا۔

"آپ کیوں جا رہے ہیں؟" دوسرا غلط سوال کیا گیا۔

"کام ہے اس لئے جا رہا ہوں۔جب ہو جائے گا تو واپس آ جاؤں گا۔"

"آپ مجھے چھوڑ کر جا رہے ہیں؟" وہ غمگیں ہونے لگی وہ پریشان ہو کر اُس کے قریب آیا اور ذرا سے فاصلے پر رک گیا۔

"زِمل تم اِس طرح سے مجھے پریشان کر رہی ہو۔ اگر تم ایسے کرو گی تو میں کیسے جاؤں گا۔ پلیز میرے لئے مشکل مت کرو۔" وہ التجا کرتے ہوئے بولا۔

"آپ مجھے بھی اپنے ساتھ لے چلیں ازمیر پلیز۔۔۔ مجھے بھی لے جائیں۔" وہ بھی اب اُس کے سامنے کھڑی بول رہی تھی، آنکھوں میں نمی تیرنے لگی کہیں وہ اُسے ڈانٹ نہ دے۔

"میں تمہیں کیسے لے کر جا سکتا ہوں۔ میں وہاں کام کرنے جا رہا ہوں۔ تم وہاں کیا کرو گی؟" وہ حقیقتاً پریشان ہو گیا تھا، اُسے معلوم نہیں تھا وہ ایسا ردعمل دے گی۔

"میں آپ سے محبّت کرتی ہوں ازمیر۔ آپ مجھ سے نکاح کر لیں اور مجھے اپنے ساتھ لے جائیں۔"

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

اُسے لگا اُس کے کانوں نے کچھ غلط سن لیا ہے وہ حیران پریشان سا اُسے دیکھنے لگا۔ یہ کیا کہہ رہی تھی وہ؟ یہ سب ناممکن تھا وہ کیسے اُس کے بارے میں ایسا سوچ سکتی تھی؟

"یہ تم کیا کہہ رہی ہو زمل؟ یہ ممکن نہیں ہے، تم بہت چھوٹی ہو اور بہتر ہے کہ یہ بات جو تم نے آج مجھ سے کہہ دی ہے آئندہ مت کہنا، نا مجھ سے نا کسی اور سے، تم صرف میری کزن اور بہت اچھی دوست ہو۔ میں اِس سب کی وجہ سے اپنی دوست کو نہیں کھو سکتا۔" وہ اُسے

سمجھاتے ہوئے بولا لیکن دوسری جانب وہ آنکھوں میں آئی نمی کو پیچھے دھکیلنے کی کوشش میں ہلکان ہونے لگی۔

"ایسے مت کہیں ازمیر۔آپ سوچنے کے لئے وقت لے لیں لیکن مجھے ایسے انکار مت کریں۔" وہ روہانسی ہونے لگی تھی،دل زخمی ہونے لگا تھا۔

"""میں انکار کر چکا ہوں زِمل اور میں نے کبھی تمہیں اِس نظر سے نہیں دیکھا بہتر ہے تمھارے دماغ میں جو یہ سب چل رہا ہے اِسے نکال دو ورنہ تمہیں دکھ ہو گا۔"

"آپ ایک بار سوچ کر دیکھ لیں۔میں آپ کے بغیر نہیں رہ پاؤں گی۔پلیز۔۔۔" وہ بولتے ہوئے رونے لگی تھی،وہ پریشان ہونے لگا تھا،لیکن آج وہ اُس کے آگے ہار نہیں مان سکتا تھا۔اُسے سب کچھ دیکھنا تھا۔

"زِمل بس بہت ہوا اب تمھارے منہ سے میں یہ سب نا سنوں۔پرسوں میری فلائٹ ہے اور میں جا رہا ہوں،بہتر ہے تم اس حقیقت کو تسلیم کر لو۔مجھے تنگ مت کرو تم صرف میری دوست تھی۔۔دوست ہو اور دوست ہی رہو گی۔میں تم سے محبّت نہیں کرتا،تم بہت چھوٹی ہو اور شادی میں صرف اُس سے کروں گا جِس سے مجھے محبّت ہو گی۔اب جاؤ اور آج کے بعد

یہ فضول باتیں میرے سامنے مت کرنا۔اپنی پڑھائی پر دھیان دو نا کہ ان فضول کاموں پر، جو بالکل بے کار ہیں۔اپنی عمر کا خیال کرو اور ہم سب کا بھی خیال کرو۔مجھے اِس قسم کی باتیں بالکل پسند نہیں ہیں اگر میں تمہارا دوست ہوں تو اِس کا مطلب یہ ہر گز نہیں ہے کہ تمہارا جو دل کرے وہ تم کہہ دو اور تم خود کو سمجھتی کیا ہو، ہم سب تمہاری جاگیر ہیں یا کوئی کٹھ پُتلی جِسے تم اپنی مرضی سے چلا سکتی ہو، مت بھولو زِمل انصاری میں از میر امین ہوں اور تم سے زیادہ دنیا دیکھی ہے میں نے، میں اِس طرح کی باتوں میں نہیں آتا اور نا ہی یہ سب باتیں میری توجہ کھینچتی ہیں، تو بہتر یہی ہے آج کے بعد مجھے کبھی یہ سننے کے لیے نا ملے کہ تم نے میرے بارے میں ایسی کوئی بات کی ہے۔" وہ غصّے سے بولا، آج پہلی بار شاید وہ اُس پر غصّہ ہوا تھا اور یہ پہلی بار تھا کہ وہ اُس کے سامنے روئی تھی۔

اُس کے بولنے پر وہ تیزی سے روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی پیچھے وہ اکیلا رہ گیا تھا، اُسے ڈانٹنے کا اِسے افسوس تھا لیکن وہ اُس کی ہر خواہش پوری نہیں کر سکتا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

دو دن بعد وہ چلا گیا تھا۔اِس کے دل میں ایک امید تھی کہ شاید وہ اِس سے ملنے آئے گی لیکن وہ نہیں آئی تھی۔سب سمجھ رہے تھے شاید وہ اُس کے جانے کی وجہ سے اداس تھی لیکن حقیقت صرف وہی جانتا تھا کہ وہ

کیوں نہیں آئی تھی کیوں کہ وہ اُسے ناراض کر چکا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ اپنی کھڑکی سے اُسے جاتا دیکھتی رہی تھی۔ایک امید تھی کہ شاید وہ اُسے منانے آئے گا لیکن وہ نہیں آیا تھا اور اُس کے دہلیز پار کرنے کے بعد یہ امید دم توڑ گئی تھی۔اُس کا دل ٹوٹ گیا تھا، محبّت ادھوری رہ گئی تھی، روح زخمی ہو گئی تھی، چاہت منہ پہ ماردی گئی تھی اور اُس کی انا روند دی گئی تھی۔

بلاشبہ آج زِمل انصاری مر گئی تھی محبّت کے ہاتھوں، اور محبوب کے لفظوں نے اُسے مار دیا تھا۔

وہ وہیں کھڑکی کے پاس زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

آنسو بہتے رہے اور وہ روتی رہی۔۔بے آواز۔۔ گھٹی گھٹی سسکیاں اپنا دم توڑتی چلی گئیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

چھ سال بعد:

وہ چھ سال بعد واپس آیا تھا اور وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ آج آنے والا ہے۔اِن چھ سالوں میں اُس نے ہر رات، ہر دن اُسے یاد کیا تھا لیکن یہ بات اُس نے اپنے اندر رکھ لی تھی۔

وہ بہت بدل گئی تھی، اُس کی شخصیت میں بہت ٹھہراؤ آ گیا تھا۔بلاشبہ جو کام از میر امین کی موجودگی نا کر سکی وہ اُس کی غیر موجودگی نے کر دیا تھا۔

اِس سال اُس کی سائیکالوجی اسپیشلائیزیشن مکمل ہو گئی تھی اور اب وہ اپنا ایک کلینک چلا رہی تھی۔جہاں وہ لوگوں کو بطور سائیکالوجسٹ تھراپی دیتی تھی۔

گھر والے اُس میں آئی تبدیلیوں پر حیران تھے لیکن سب نے ہی اِسے وقت کے ساتھ آنے والی سنجیدگی ہی سمجھا تھا اور وہ بھی کسی کو اپنی ذاتیات میں دلچسپی لینے کا موقع نہیں دیتی تھی۔

سب کچھ بدل گیا تھا لیکن کیا واقعی سب کچھ بدل گیا تھا۔

آج چھ سال بعد اُسے اچانک نظروں کے سامنے دیکھ کر وہ خود کے ٹوٹے ہوئے وجود کو پھر سے سنبھالنے میں ہلکان ہو گئی تھی، لیکن اُس کے سامنے اپنا آپ کھولنے کی غلطی وہ اب نہیں کر سکتی تھی۔

گھر میں یہ ذکر کچھ دنوں سے چل رہا تھا کہ وہ آ رہا ہے لیکن اُس نے کسی سے بھی پوچھنا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ اُس کی زندگی سے جا چکا تھا اب چاہے وہ آج آئے یا کل اُسے اِس سب سے کوئی سروکار نہیں تھا۔

وہ کار میں بیٹھی گزرا ہوا کل یاد کر رہی تھی اُسے معلوم ہی نہیں ہوا کب اُس کی آنکھیں بہنے لگی تھیں۔

وہ اُداس تھی کیوں کہ چھ سال گزرنے کے بعد بھی وہ خود کو یہ سمجھا نہیں پائی تھی کہ ازمیر امین اُس کے لیے نہیں ہے، نا وہ اُس کا ہو سکتا ہے، لیکن معاملہ دل کا تھا جس میں سمجھ اور عقل دونوں ہی کام نہیں کرتیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

دانیہ کا ایک سال پہلے فائق سے ازمیر کے کہنے پر نکاح ہو گیا تھا۔وہ شروع سے فائق کی دانیہ کے لیے پسندیدگی جانتا تھا لیکن انتظار کر رہا تھا کہ کب وہ خود اُسے بولے گا اور وہ آگے بات کرے، پھر ایک دن فائق نے اُس سے بات کی تو وہ گھر والوں کو منا چکا تھا اور ایسے ہی سب کی رضامندی پر خوش اسلوبی سے اُن دونوں کا سادگی سے نکاح کر دیا گیا۔

دانیہ کیوں کہ راضی نہیں تھی اور ازمیر کے بہت منانے پر فی الوقت صرف نکاح کے لیے ہی مانی تھی اور باقی سب نے اُس کی خواہش کا احترام کیا تھا۔

وہ دانیہ کے لیے بے حد خوش تھی لیکن اُس کا دل مردہ ہو چکا تھا اور اب سب نے اُسے ایسے ہی قبول کر لیا تھا۔

Clubb of Quality Content

☆☆☆☆☆☆☆

اپنے کمرے میں آنے کے بعد وہ اُس کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔اُس کے باہر جانے کے بعد اُس نے اپنے بال کٹوا لیے تھے۔کمر سے نیچے جاتے سیاہ ریشمی بالوں کا اُس نے شولڈر کٹ کروا لیا تھا۔اُسے یہ بات کبھی پتہ نہیں چلتی اگر ایک دن دانیہ چُپکے سے اُس کی تصویر اُسے نا بھیجتی،اور وہ تصویر دیکھ کر وہ کئی دن سو نہیں سکا تھا۔

وہ اپنے بال کاٹ چکی تھی۔

وہ ہر وہ نشانی مٹا رہی تھی جس سے ازمیر کو محبت تھی یعنی وہ اُس کا نام اپنی زندگی سے حذف کر رہی تھی۔ وہ سانس نہیں لے پا رہا تھا۔ دل کیا چھوڑ دے کام اور بھاگ کر اُس کے پاس چلا جائے لیکن نہیں وقت مشکل ہی سہی پھر بھی اُسے زِمل انصاری کے لیے یہ سب کرنا تھا۔ وہ اُسے مضبوط دیکھنا چاہتا تھا اور اگر وہ اُس کے سامنے رہے گا تو وہ کبھی مضبوط، خود مختار اور با ہمت نہیں ہو سکتی تھی۔ اُسے یہ سب کرنا تھا اور اُس نے یہ کیا لیکن آج اُس کی نظروں میں خود کے لیے اجنبیت دیکھ کر اُسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ دیر کر چکا ہے۔

جو وہ سوچتا تھا کہ جا کر اُسے منا لے گا وہ غلط سوچتا تھا کیوں کہ وہ جس زِمل کو جانتا تھا وہ ایسی نہیں تھی اور جواب تھی وہ آسان نہیں رہی تھی۔

وہ اِسی پریشانی میں گھرا جب سویا اُسے اندازہ ہی نہیں ہوا اور جب آنکھ کھلی تو عصر کا وقت ہوئے کافی دیر ہو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ نماز پڑھ کر نیچے آیا تو سب افطاری میز پر سجا رہے تھے۔

"سلام چچی۔ کیسی ہیں آپ؟" ریحانہ بیگم میز پر پکوڑے رکھ رہی تھیں کہ وہ انہیں دیکھ کر بولا۔

"وعلیکم اسلام۔ الحمدللہ۔ تم کیسے ہو؟" وہ مسکراتے ہوئے بولیں۔

"میں ٹھیک ہوں چچی۔ زِمل نظر نہیں آرہی کہاں ہے؟" بات کا آغاز تو کرنا ہی تھا اِسی لیے اپنے مدعے کی بات پر آیا۔

"وہ تو اپنے کلینک پر ہے۔ کسی پیشنٹ کا سیشن ہے اُس کے ساتھ تو وہ رات تک آئے گی۔ تم بیٹھو روزہ کھلنے والا ہے۔" وہ جواب دیتے ہوئے اُسے ہدایت دینے لگیں اور واپس کچن میں چلی گئیں۔

Clubb of Quality Content

وہ مایوس سا ہو کر بیٹھ گیا تھا یعنی ابھی رات تک انتظار کرنا تھا۔

انتظار کبھی کبھی جان لیوا ہو جاتا ہے لیکن پھر بھی انتظار ہی ہے جو اُمید کی آخری کرن بھی تھما دیتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ ایک کام کے سلسلے میں شہر سے باہر گئی ہوئی تھی۔اُس دن کے بعد سے اُن دونوں کا سامنا نہیں ہوا تھا۔

اُسے آئے دس دن گزر چکے تھے۔بیس روزے ہو گئے تھے۔آخری عشرہ شروع ہونے والا تھا۔

دانیہ کی تعلیم بھی مکمل ہو گئی تھی اِسی لیے عید کے فوراً بعد اُس کی رخصتی طے ہو گئی تھی۔

اب سب کا فوکس زِمل پر تھا کہ بس اُس کی شادی بھی ہو جائے۔ریحانہ بیگم کو ہر وقت اُس کی شادی کی فکر لگی رہتی تھی کہ کسی طرح سے اُس کی شادی ہو جائے تاکہ وہ بھی اپنے شوہر کے گھر کی ہو جائے لیکن امین علی نے اُنہیں کہہ دیا تھا کہ وہ اُس کی شادی کی فکر نا کریں زِمل کی شادی وہ خود کروائیں گے۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کا دن تھا،اکیسویں روزے کی سہہ پہر،وہ اپنے گھر کے لان میں ٹہل رہا تھا جب اُسے وہ سامنے سے آتی ہوئی دکھائی دی۔وہ اُسے دیکھ کر پلٹنے لگی تھی لیکن پھر ٹھہر گئی اور قریب چلی آئی اور تھوڑے فاصلے پر رکھے جھولے میں بیٹھ گئی۔

وہ دو سال پہلے عباس منزل چھوڑ کر شہرِ قائد کے ایک پوش علاقے میں بچوں کی خواہش پر منتقل ہو گئے تھے لیکن وہ گھر بھی اُن ہوں نے بیچا نہیں تھا۔

وہ جھولے پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر گئی جانتی تھی وہ اُسے ہی دیکھ رہا ہے لیکن فی الحال وہ اُس کا سامنا نہیں کرنا چاہ رہی تھی، پھر بھی یہاں آ گئی تھی تاکہ وہ کسی غلط فہمی میں نا رہے کہ وہ آج تک اُس انکار کو دل سے لگا کر بیٹھی ہے۔ وہ آنکھیں بند کیے جُھولا جُھلاتی رہی اور وہ اُسے دیکھنے لگا۔

سیاہ ریشمی بال جن کی چمک آج بھی ویسی ہی تھی اتنے سالوں میں وہ بڑھ کر پھر کمر سے نیچے آنے لگے تھے جو اِس پل اونچی پونی میں قید تھے، دُھلا دُھلا یا چہرا، سیاہ آنکھوں کی مڑی ہوئی پلکیں جو اِس پل آنکھیں بند ہونے کے باعث اور واضح نظر آ رہی تھیں، کٹاؤ دار لب جو سردی کے باعث سرخ ہو رہے تھے اور گہرے جامنی رنگ کی انارکلی فراک چوڑی دار پاجامے کے ساتھ پہنے وہ خوب صورت لگ رہی تھی۔ وہ اُسے دیکھتا رہا پھر کچھ سوچ کر سامنے آیا اور اُسے پکارا۔

"زِمل کیسی ہو؟" تین لفظ۔۔۔ صرف تین لفظ کہنے کے لیے اُسے اپنے پورے وجود کی ہمت اکٹھی کرنی پڑی تھی۔ وہ اب بھی آنکھیں بند کیے جُھولا جھولتی رہی۔

"زِمل؟" وہ پھر پکارنے لگا۔ اب کی بار اُس نے آنکھیں کھول دیں۔ دونوں کی نظریں ملیں، سیاہ آنکھوں سے سیاہ آنکھیں ٹکرائیں آج اُن آنکھوں میں ایک الگ ہی تاثر تھا۔ غمگیں تاثر۔۔ ٹوٹ جانے کا غم۔۔ چھوڑ جانے کا غم۔۔ ادھورا رہ جانے کا غم۔۔ ٹھکرائے جانے کا غم اور اگر مقابل کی آنکھوں میں دیکھو تو وہ بھی اداس تھیں۔ حالات بدل جانے پر۔۔ لوگوں کے دور جانے پر۔۔ رویے بدل جانے پر۔۔ اُس کے روٹھ جانے پر۔ دونوں ہی اپنی جگہ اپنی اپنی اذیت کاٹ رہے تھے لیکن وقت بدل گیا تھا اب وہ ایک دوسرے سے کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔

کچھ دیر ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھتے رہے پھر اُس نے نظریں پھیر لیں اور وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر جانے لگی۔

ابھی وہ وہاں سے نکلتی کہ وہ پھر بولا۔

"اگر مجھ سے بات نہیں کرنی تو صرف میری بات سن لو۔ایک بار۔" وہ التجائیہ انداز میں بولا وہ ٹھہر گئی لیکن مڑی نہیں۔

"میں غیروں کی بات نہیں سنتی کیوں کہ میرا اور آپ کا ایسا کوئی تعلق نہیں جس کی بنیاد پر میں رُک کر آپ کی بات سنوں۔" وہ جانے لگی تھی کہ وہ پھر بولا۔

"ایسے مت کہو۔تم اور میں دوست ہیں۔" وہ نرمی سے بولا۔

"ہم دوست ہیں نہیں کسی زمانے میں دوست تھے۔اب آپ صرف میرے تایا کے بیٹے ہیں اور میں آپ سے صرف اِس بنیاد پر بات نہیں کر سکتی۔مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ ابھی آگے بڑھتی کہ اُس کے اگلے جملے نے اُس کے قدم روک دیے۔

"تم اتنا تو مانتی ہو کہ میں تمہارے تایا کا بیٹا ہوں۔تمہیں میں مجبور نہیں کروں گا کہ تم مجھے سنو لیکن اگر تمہاری یہ ناراضگی ختم ہو جائے تو صرف ایک بار میری طرف کی کہانی سن لینا، میں تمہارے ہر سوال کا جواب دینے کے لیے تیار ہوں۔بس ایک بار میری بات پوری سن لینا جب بھی تمہارے پاس وقت ہو۔" وہ کہہ کر وہیں ٹھہر گیا کہ وہ کچھ بولے گی شاید اب، لیکن وہ کچھ نہیں بولی اور سیدھ میں چلتی ہوئی اندر کی جانب بڑھ گئی پیچھے وہ اکیلا رہ گیا تھا۔وہ

جانتا تھا زِمل انصاری کو منانا پہلے کی طرح آسان نہیں ہو گا کیوں کہ اِس بار ضرب دل پر لگی تھی اور لگانے والا وہ خود تھا لیکن اُسے ہر حال میں اُسے منانا تھا اور وہ اُسے منا لے گا یہ اُسے یقین تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

اتوار کا دن خاموشی سے گزر گیا تھا۔ گھر میں شادی کی تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ زِمل نے تو سب سے ہی ایسا لگ رہا تھا جیسے بات کرنا ہی چھوڑ دی تھی۔ اُس کے آنے کی وجہ سے وہ بالکل ہی گھر کے معاملات سے الگ ہو گئی تھی۔ سارا دن اپنے کلینک پر ہوتی تھی اور پھر رات کو دیر سے آنے کے بعد سو جایا کرتی تھی۔

گھر والوں سے ملاقات اُس کی صرف سحری پر ہوتی تھی اور ازمیر کو تو وہ مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھی۔ آٹھ سال کا فرق ہونے کے باوجود بھی وہ چوبیس کی نہیں بلکہ بتیس برس کی لگنے لگی تھی۔

ازمیر کو وہ اپنے سے سولہ برس بڑی لگ رہی تھی اور وہ خود کو ایک ٹین ایجر سمجھنے لگا تھا۔

وہ دونوں عمر کے اِس حصے میں آ گئے تھے کہ ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

ایک آج بھی محبت کی ڈور سے بندھی تھی اور وہ آج بھی خود اذیتی کا شکار تھا۔

دونوں ہی اپنی جگہ صحیح تھے لیکن دونوں کو ہی ایک دوسرے کو سمجھنا تھا۔ چھ سال پہلے وہ اُسے سنے بغیر چلا گیا تھا اور چھ سال بعد وہ اُسے سننا نہیں چاہتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے گیارہ بج رہے تھے، وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہا تھا کہ منیر آیا۔

"از میر صاحب آپ کو بڑے صاحب بلا رہے ہیں۔" وہ ہاتھ باندھے کھڑا جواب کا منتظر تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میں آرہا ہوں، تم جاؤ۔" وہ جواب سن کر پلٹ گیا اور دو منٹ بعد وہ نیچے ہال میں موجود تھا جہاں سب اُس کے منتظر تھے۔

وہ ہال کمرے میں پہنچا جہاں اِس وقت اُس کے والدین اور ریحانہ چچی موجود تھے۔

اُس نے آتے ہی سب کو سلام کیا اور تینوں نے اُسے جواب دیا۔

"بیٹھو۔" امین علی نے اُسے سامنے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

ہال کمرے میں دو صوفہ سیٹ رکھے تھے، درمیان میں دھیمی روشنیوں والا فانوس لگا تھا، دروازے کے پاس گملے رکھے تھے جن میں پودے لگے تھے، چاروں اطراف مشعلیں لگی تھیں، اونچی اور بڑی کھڑکیوں سے سامنے موجود لان صاف نظر آرہا تھا، کمرے میں اِس وقت دھیمی روشنیوں کا راج تھا جو ماحول کو سکون بخش رہا تھا، میز پر رکھی چائے ابھی بھی گرم تھی۔ سب نے پہلے چائے پی اور پھر امین علی نے بات کا آغاز کیا۔

"زمیر تم اب بتیس کے ہو چکے ہو، میرا ارادہ تھا کہ چھ سال پہلے ہی تمہاری شادی کر دی جائے لیکن اُس وقت تم باہر جا رہے تھے اور زِمل بھی چھوٹی تھی، لیکن اب چوں کہ تمہارا کاروبار بھی جم گیا ہے اور زِمل کی تعلیم بھی مکمل ہو گئی ہے تو ہم سب کے حساب سے یہ وقت مناسب ہے۔ میں نے اور تمہاری ماں نے تمہارا رشتہ زِمل سے طے کیا ہے جِس پر تمہاری چچی راضی ہیں۔ اب تم بتاؤ کیا تمہیں اِس رشتے پر کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟" وہ بہت سبھاؤ سے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہے تھے۔ کمرے میں بیٹھے تینوں نفوس اُس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بخوبی دیکھ رہے تھے۔

"بابا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ زِمل مجھ سے بہت چھوٹی ہے اُس کی مرضی جانے بغیر اتنا بڑا فیصلہ آپ نہیں کر سکتے۔" وہ زندگی میں ہر چیز کی امید کر سکتا تھا لیکن زِمل انصاری سے اپنی شادی کی ہرگز نہیں۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اُسے پسند نہیں کرتا تھا لیکن وہ اِس پسندیدگی کے دنیا کے سامنے آجانے پر زِمل کے لیے کوئی برا لفظ نہیں سُن سکتا تھا۔ وہ اُسے بہت عزیز تھی، وہ اُسے میلا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اب جب یہ بات سُنی تو اُسے سمجھ ہی نہیں آیا کیا جواب دے۔

"تم زِمل کی فکر مت کرو۔ اپنا بتاؤ بس ہمیں، کیا تمہیں تو کوئی اعتراض نہیں ہے اِس رشتے سے؟" وہ پھر سے اپنا سوال دہرانے لگے۔

"بابا میں اتنی جلدی کیسے آپ کو بتا سکتا ہوں، آپ مجھے سوچنے دیں۔" وہ تحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"بھائی صاحب کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے اگر ازمیر راضی نہیں ہے تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ زِمل کے لیے جو فرزان کا رشتہ آیا تھا، اُس کی والدہ نے کل بھی فون کیا تھا اور کہہ رہی تھیں کہ زِمل کی شادی اُن کے بیٹے سے کر دیں۔ آپ دیکھ لیں ایک دفعہ، وہ لڑکا بھی پڑھا لکھا

ہے، ہم اُس کے بارے میں سوچ سکتے ہیں۔" ریحانہ بیگم جو کافی دیر سے خاموش تھیں پہلی بار بولیں۔ اُنہیں حقیقتاً برا محسوس ہو رہا تھا کہ اتنے سالوں کا تعلق ہونے کے باوجود وہ ہاں کرنے میں اتنا وقت لے رہا ہے اور اِس کا مطلب اُن ہوں نے یہی نکالا کہ وہ اُن کی بیٹی سے شادی نہیں کر سکتا اور موقع کی مناسبت سے اُنہیں یہی بہتر لگا کہ وہ بات ختم کر دیں۔ اِسی لیے بہت دھیمے لہجے میں اور ٹھہراؤ کے ساتھ بولیں۔

"نہیں چچی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ غلط سمجھ رہی ہیں، میں صرف زِمل کا سوچ رہا تھا۔ وہ ابھی چھوٹی ہے، لیکن میری بات سے اگر آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے تو مجھے اِس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بس آپ لوگ زِمل سے ایک دفعہ پوچھ لیں۔" وہ بوکھلا گیا تھا کہ چچی نے اُس کی جھجھک کو اُس کی ناپسندیدگی سمجھ لیا، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ ازمیر امین زِمل انصاری کو ناپسند کر دے۔

"زِمل نے اپنا فیصلہ مجھ پر چھوڑا ہے اور مجھے یہ رشتہ قبول ہے، تمہیں واقعی اِس رشتے سے کوئی مسئلہ تو نہیں ہے نا؟" ریحانہ بیگم ایک بار پھر اُس سے پوچھ رہی تھیں یا یہ کہنے زیادہ بہتر تھا کہ وہ اپنی تسلی کر رہی تھیں۔

"ماما، بابا، چچی، آپ تینوں سے کہہ رہا ہوں کہ مجھے اِس سب سے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ میں اپنی خوشی سے اُسے قبول کر رہا ہوں۔" وہ جھجھکتے ہوئے گھمبیر لہجے میں کہنے لگا اور آخر میں اُس کے ہونٹوں کو مسکراہٹ نے چھوا۔

"او کے بیٹا۔ ایک بار زِمل سے بھی پوچھ کر ہم تم دونوں کا نکاح اگلے ہفتے جمعرات کو کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" کب سے خاموش بیٹھی ناہید بیگم نے اب کی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

"ٹھیک ہے ماما۔" وہ نرمی سے بولا، بظاہر سنجیدہ نظر آ رہا تھا لیکن آنکھوں کی چمک لمحوں میں بدل گئی تھی۔ اتنا کہہ کر وہ اُن سب سے اجازت لے کر اٹھ گیا لیکن جاتے ہوئے اُس کے چہرے کی خوشی اور آنکھوں کی چمک نے امین علی کو مسکرانے پر مجبور کر دیا، وہ مسکرائے کیوں کہ آج کئی سالوں بعد اُنہوں نے اپنے بیٹے کی آنکھوں میں زِمل کے نام کا جلتا ہوا چراغ اور اُس کی روشنی بہت واضح دیکھی تھی۔ اُنہیں اندازہ تو کافی سالوں پہلے ہی ہو گیا تھا لیکن یقین کی مہر آج، اِس لمحے لگی تھی۔ اُنہوں نے دل سے اُن دونوں کو دعا دی۔

وہ چلا گیا تھا، وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئے تھے اور پیچھے وہ دونوں خواتین باتوں میں مصروف ہو گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆☆☆

تیئسواں روزہ آج ختم ہو گیا تھا۔وہ کلینک سے آئی تو ریحانہ بیگم نے اُسے ازمیر اور اُس کے رشتے کی بابت اور ہونے والے نکاح کے بارے میں بتایا۔جِسے سُن کر اُس نے ہر ممکن کوشش کی کہ انکار کر دے لیکن وہ نہیں مانیں اور بالآخر تھک ہار کر وہ خاموش ہو گئی کیوں کہ ازمیر سے ناراضگی اپنی جگہ لیکن وہ اپنی ماں کا دل دکھانا نہیں چاہتی تھی، جنہوں نے ساری زندگی اُس کے لیے قربان کر کے خود پر خوشیوں کے دروازے بند کر لیے تھے،اب اُس کا وقت تھا کم سے کم وہ انہیں اپنی ذات سے کوئی اذیت نہیں دے سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

آدھی رات گزر چکی تھی،اِس پہر رات کا ایک بج رہا تھا،پورا گھر نیم تاریکی میں ڈوبا ہوا ایک پُر اِصرار ماحول بنا رہا تھا۔

وہ اپنے کمرے کی بالکنی میں ٹہلنے کی غرض سے نکلا کہ اُس کی نگاہ نیچے لان میں بیٹھی اُس لڑکی پر پڑی جو اِس پل سیاہ لمبی، گھیر دار فراک پہنے، دوپٹہ شانوں پر پھیلائے، لمبے بالوں کی چوٹی گوندھے اُنہیں آگے کو ڈالے ہوئے، سیاہ آنکھوں میں کاجل لگائے، سانولی رنگت میں سرخی

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

گھلی ہوئی، ہونٹوں کی نیلاہٹ، پرکشش نین نقش اور چپلوں سے بے نیاز پیر اُسے اِس سیاہ رات میں بھی نمایاں کر رہے تھے۔ وہ اُسے دیکھ کر مبہوت رہ گیا، نظریں ہٹانا مشکل ہو گیا تھا، بلاشبہ وہ ازمیر امین کا سب سے دلکش نظارہ تھی۔

وہ اُسے دیکھتا رہا اور اُسے احساس ہی نہیں ہوا کہ کب بارش شروع ہو گئی۔

مارچ کے اوائل دنوں میں کراچی میں بارش بہت غیر متوقع تھی اور اتنی طوفانی بارش جس کی کوئی پیش گوئی بھی نہیں کی تھی بہت سے مسائل کا باعث بننے والی تھی۔

اچانک سے بادلوں کے گرجنے کی آواز نے اُسے اپنی جانب متوجہ کیا، ایک تیز ہوا کے جھونکے نے اُسے کانپنے پر مجبور کر دیا وہ ایک دم کانپا اور نیچے دیکھا جو ابھی تک ہاتھ میں کافی کا کپ تھامے، جھولے پر بیٹھی اِس تیز طوفانی بارش میں بھیگ رہی تھی۔

وہ تیزی سے پلٹا اور اگلے ہی منٹ میں وہ اُس کے سامنے تھا۔

اُس کے پاس جا کر اُس نے دیکھا وہ ہولے ہولے لرز رہی تھی، ہونٹ نیلے پڑ چکے تھے، گال لال ہو رہے تھے اور آنکھیں پانی کی ٹھنڈک سے سرخ ہو گئی تھیں اور ہاتھ ایک دم برف جیسے ٹھنڈے وہ اُسے اپنے ہوش میں نہیں لگی تھی کیوں کہ جس زِمل کو وہ جانتا تھا وہ بارش

سے ڈرتی تھی اور سامنے کھڑی لڑکی کے تاثرات بالکل مختلف تھے وہ پریشان ہو گیا۔اِس نے اُس کے ہاتھ سے کافی کا کپ لے کر میز پر رکھا جس میں موجود کافی اب ٹھنڈی ہو گئی تھی اور اب تو اُس میں بارش کا پانی بھی بھر گیا تھا۔

وہ فوراً اندر گیا اور اپنی شال نکال کر لایا پھر اُس کے قریب آ کر اُسے شال اُڑھائی تاکہ وہ کچھ گرمائی محسوس کرے۔

"زِمل تم اس وقت یہاں کیا کر رہی ہو؟" وہ پریشانی سے بولا وہ نہیں سن رہی تھی۔

"زِمل کیا کر رہی ہو یہاں؟" وہ پھر بولا ہنوز خاموشی تھی، بارش تیزی سے برس رہی تھی، بجلی زور سے کڑک رہی تھی بیک وقت بادلوں کے گرجنے کی آواز آئی جِس نے زِمل کو ٹھٹھرنے پر مجبور کر دیا لیکن وہ ہنوز پہلے جیسی حالت میں بیٹھی رہی۔

"زِمل میں تم سے بات کر رہا ہوں۔" اب کی بار اُس نے نظریں اٹھائیں۔آج وہ نظریں بالکل مختلف تھیں۔آج اُن میں تھکن کا تاثر تھا جیسے وہ خود سے ہی تھک گئی تھی۔

"آپ نے رشتے سے انکار کیوں نہیں کیا؟" وہ بولی تو بس اتنا ہی، کچھ لمحے وہ اُس کی شکل دیکھتا رہا پھر بولا وہ ابھی بھی جھولے پر بیٹھی تھی۔

"تم اندر چلو، اِس وقت یہاں مت کھڑی ہو تم بیمار ہو جاؤ گی۔ پلیز اندر چلو۔" جواب کے بجائے بات گھما دی گئی تھی۔

"یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے اور پلیز یہ جھوٹی ہمدردیوں کی مجھے اب کوئی ضرورت نہیں ہے، بہتر ہو گا کہ انہیں اپنے پاس رکھیں۔" وہ کھڑی ہو گئی تھی اور اِس کی شال اتار کر اِسے دینے لگی جسے اِس نے دوبارہ اُس کے کندھوں پر پھیلا دیا۔

"تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ میں انکار کرنا ہی نہیں چاہتا تھا تو کیوں کرتا، میری مرضی پوچھی گئی تھی اور یہ میری خواہش تھی تو میں نے انکار نہیں کیا اور رہی بات جھوٹی ہمدردیوں کی تو مجھے ایسی کوئی ضرورت نہیں ہے اور نا تم کمزور ہو جسے میری ہمدردی کی ضرورت ہے، یہ میری خوشی ہے کہ میں تمہاری پرواہ کرتا ہوں۔" وہ ایک لمبا چوڑا تفصیلی جواب دیتے ہوئے بولا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہی پھر بولی۔

"اگر میری اتنی پرواہ ہے تو رشتے سے انکار کر دیں۔" وہ دوٹوک انداز میں بولی۔ دونوں ایک دوسرے کے سامنے کھڑے ایک دوسرے کا عکس دیکھ رہے تھے۔

"اب میں تمہاری اتنی پرواہ بھی نہیں کرتا کہ سیدھا انکار کر دوں، اگر تم چاہتی ہو یہ رشتہ نا ہو تو تم انکار کر دو۔ میں تمہاری خواہش کا احترام کروں گا۔" وہ جانتا تھا وہ کبھی انکار نہیں کر سکے گی اِسی لیے یہ بات بولا۔

"میں نہیں کر سکتی۔ مہربانی کریں مجھ پر اور آپ انکار کر دیں۔" وہ التجائیہ لہجے میں بولی۔

"تم مجھ سے کچھ بھی کہہ دو یا کچھ بھی مانگ لو زِمل میں انکار نہیں کروں گا لیکن تمہیں چھوڑ دوں یہ میرے لیے قابلِ قبول نہیں۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ حتمی انداز میں بولا اور اُسے پھر اندر جانے کے لیے بولا جس پر وہ مزید بحث کرنے لگی۔

"آپ آج بھی جھوٹے ہیں، بہت جھوٹے، مجھے دکھ ہے میں آپ سے۔۔۔" وہ آگے بول نہیں پائی اور وہاں سے جانے لگی کہ اُس کی آواز آئی۔

"تمہیں دکھ ہے کیوں کہ تمہیں آج بھی مجھ سے محبت ہے۔" وہ دھیمے، جتاتے ہوئے لہجے میں بولا اور اُس کا جواب سن کر وہ پلٹ کر اُسے دیکھنے لگی، ایک پر شکوہ نگاہ کے ساتھ اور وہاں سے بھاگتی چلی گئی، پیچھے وہ اکیلا رہ گیا تھا۔

وہ ہر بار اکیلا ہی رہ جاتا تھا اور وہ ہر بار چلی جاتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات بہت تیز بارش ہوئی تھی لیکن کراچی کا موسم لمحوں میں بدلتا تھا،رات کو تیز طوفانی بارش ہونے کے باوجود اِس پہر سورج اپنے آب وتاب سے چمک رہا تھا۔

وہ اپنے کمرے میں موجود بستر پر دراز تھی،رات میں بارش میں بھیگنے کی وجہ سے وہ اب بخار میں مبتلا تھی۔بارش اُسے بچپن سے ڈراتی آئی تھی وہ کچھ دیر کے لیے بھی بارش میں نہیں بھیگتی تھی کیوں کہ اُسے فوراً ٹھنڈ لگ جاتی تھی اور اب بھی یہی ہوا تھا۔سارا گھر اُس کے کمرے میں جمع تھا،اور ابھی کچھ دیر پہلے ہی سب اُسے آرام کرنے کے لیے چھوڑ گئے تھے اور اب اُس کے پاس صرف دانیہ بیٹھی تھی۔

"زِمل خانم سچ سچ بتاؤ کیا میرو بھیا سے شادی کی خوشی میں تم بھول گئی تھی کہ بارش تمہارے لیے کتنی نقصان دہ ہے؟"دانیہ کو جب سے پتا چلا تھا کہ ازمیر نے اُس سے شادی کا فیصلہ کیا ہے وہ تب سے ہی بہت خوش تھی کیوں کہ وہ بہت سالوں سے چاہتی تھی کہ زِمل اُس کی بھابھی بنے اور اب جب اُس کا بھائی مان گیا تھا تو وہ اُسے ایسے ہی تنگ کر رہی تھی۔

Clubb of Quality Content

"دانی بس کرو۔ ہر وقت کا مذاق اچھا اچھا نہیں لگتا۔" وہ اُسے جھاڑتے ہوئے بولی جسے دانیہ نے اِسے بیماری کا اثر اور اُس کا چڑچڑا پن سمجھ کر ہوا میں اُڑایا ابھی وہ کچھ اور بولتی کہ دروازے پر دستک ہوئی۔ وہ دونوں ہی جانتی تھیں آنے والا کون تھا۔

زِمل نے فوراً آنکھیں بند کر لیں اور دانیہ نے اُسے اندر آنے کی اجازت دی، وہ قدم قدم چلتا ہوا اندر آیا۔

"دانیہ مجھے زِمل سے کچھ بات کرنی ہے۔" وہ اُسے نادانستہ طور پر وہاں سے جانے کے لیے کہہ رہا تھا اور اتنی بے وقوف وہ بھی نہیں تھی کہ اُس کی بات نا سمجھتی لیکن پھر بھی زِمل کا ساتھ دینا ضروری سمجھا۔

"بھائی وہ سو رہی ہے، جب اٹھ جائے گی تو میں آپ کو بلا لوں گی۔" وہ جانتی تھی اب اُس کی شامت آنے والی ہے لیکن دیدہ دلیری سے بولی، وہ آج بھی اپنے بھائی سے ڈرتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ میں انتظار کر لوں گا، تم جاؤ۔" اب کی بار اُس نے مقابل کا اعتراض رد کرتے ہوئے حتمی انداز میں بولا وہ فوراً وہاں سے چلی گئی۔

وہ آہستہ سے چلتا ہوا اُس کے سامنے کرسی پر بیٹھ گیا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میں جانتا ہوں تم جاگ رہی ہو، اِس لیے آنکھیں کھول لو۔" وہ مسکراتے ہوئے نرم لہجے میں بولا، وہ آج بھی اُس کے بارے میں غلط نہیں تھا اور وہ آج بھی اتنی ہی متوقع تھی۔

"اگر جانتے ہیں تو کہیں کیا بات کرنی ہے آپ کو؟" وہ آنکھیں کھول کر اُٹھ بیٹھی تھی۔

سبز رنگ کا ڈھیلا ڈھالا کافتان پہنے، کھلے ہوئے بال اور چند لٹیں چہرے پر جُھول رہی تھیں، سرخ آنکھیں نیند کی غماز تھیں اور اِس پر گالوں اور ناک کی سرخی اُسے دلکش بنا رہی تھی، وہ حسین تھی یا اُسے لگتی تھی یہ فیصلہ وہ نہیں کر سکا۔

اب بھی وہ اُسے ہی دیکھ رہا تھا کہ اچانک اُس کی آواز نے اُسے خیالوں کی دنیا سے نکالا۔

"بولیں۔" وہ سخت لہجے میں بولی کیوں کہ اُسے اب ازمیر کی موجودگی الجھن میں مبتلا کر دیتی تھی، اِس پل بھی وہ اُس کے یہاں بیٹھنے پر شدید جھنجھلاہٹ کا شکار ہو رہی تھی۔

"کیسی طبیعت ہے تمہاری؟" وہ فکر مند لہجے میں بولا۔

"ٹھیک ہوں۔ آپ وہ بات کہیں جو کہنے آئے ہیں۔" وہ بے زاری سے بولی، اُس کی ایسی بے رخی پر مقابل کا دل دکھا۔

''میں سچ میں تمہاری طبیعت پوچھنے آیا تھا، زِمل تم سے زیادہ ضروری اور کیا ہو سکتا ہے؟''

''مجھ سے زیادہ ضروری آپ کا کاروبار ہے۔'' وہ ایک ایک لفظ جما کر بولی۔

''ایسا کچھ نہیں ہے، میں کتنی بار کہہ چکا ہوں میری ایک مرتبہ بات سن لو پھر جو تم چاہو گی وہی ہو گا۔'' وہ اب تھک چکا تھا کیوں کہ وہ جتنی بھی کوشش کر رہا تھا بات ہر بار بگڑ جاتی تھی۔

''میں آپ کی بات صرف اُس وقت سنوں گی جب آپ اِس رشتے سے انکار کریں گے اور وجہ میں بتاؤں گی۔'' وہ مضبوط انداز میں اُس کے ہوش ٹھکانے لگا رہی تھی کیوں کہ وہ اُس کے کندھوں پر رکھ کر اب بندوق چلانا چاہتی تھی۔

''تم پہلے میری بات سن لو پھر جو تمہیں مناسب لگے وہ کرنا۔'' وہ مدافعانہ لہجے میں بولا۔

''میں آپ کی بات صرف اِسی شرط پر سنوں گی، اگر میری شرط قبول ہے تو ٹھیک ہے ورنہ آپ جا سکتے ہیں۔'' وہ اتنا کہہ کر بستر پر لیٹ گئی اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے جو صاف اشارہ تھا کہ وہ اب اُسے دیکھنا نہیں چاہتی وہ جا سکتا ہے۔

"زِمل تم زیادتی کر رہی ہو۔پلیز ایک بار میری بات سن لو،اگر تمہیں پھر بھی لگے کہ میں غلط ہوں تو میں تمہارے راستے سے ہٹ جاؤں گا۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولا لیکن آواز کو حتی الامکان عام ہی رکھا۔

"ایک وقت تھا جب میں نے بھی کسی سے التجا کی تھی مسٹر ازمیر امین تب کسی نے مجھے بھی سننے سے منع کر دیا تھا تو آج میں کیوں کسی کی سنوں؟" وہ دبی دبی آواز میں چیخی تھی اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"میں مانتا ہوں میں نے غلط کیا لیکن مجھے بولنے کا موقع تو دو۔پلیز۔۔۔" وہ اُس سے منت کر رہا تھا لیکن اب وقت بدل گیا تھا،وہ چاہ کر بھی کچھ نہیں کر پا رہا تھا۔

"بالکل دوں گی،کیوں کہ میں آپ کی طرح نہیں ہوں لیکن پہلے میری بات مانیں اور جا کر تایا ابو کو منع کریں پھر میں آپ کی ہر بات سننے کے لیے تیار ہوں۔" وہ ٹھنڈے لہجے میں بولتے ہوئے اُسے گہری کھائی میں دھکیل رہی تھی۔

"ایک بار مجھے موقع دے دو،میں سب ٹھیک کر دوں گا۔"

"آپ کچھ بھی ٹھیک نہیں کر سکتے اور اب موقع کس بات کا چاہیئے آپ کو، گزرا ہوا کل آپ بدل نہیں سکتے اور آنے والے کل کے لیے مجھے آپ پر بھروسہ نہیں ہے۔ مہربانی کیجیے مجھ پر اور چلے جایئے۔" وہ تلخ لہجے میں تیز آواز کے ساتھ بولی وہ اُسے دیکھتا رہ گیا پھر خاموشی سے اُٹھا اور ایک آخری نگاہ اُس پر ڈال کر کمرے سے باہر چلا گیا لیکن آج اُس کی آنکھوں کی ندامت نے اُسے بھی توڑ دیا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ ازمیر امین زِمل انصاری کو ایک نئی اذیت سے دوچار کر گیا تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

پچیس روزے ایسے ہی خاموشی سے گزر گئے تھے۔ کل سارا دن ہی وہ اپنے کمرے میں رہی تھی کیوں کہ بخار اور اُس کی نقاہت کی وجہ سے اُس میں اٹھنے کی ہمت نہیں تھی اِسی لیے سارا دن آرام کر کے گزارا تھا اور پھر آج سحری کرنے آئی تھی اور جلدی ہی واپس چلی گئی تھی۔

دونوں نے ایک دوسرے کی جانب نظریں نہیں کی تھیں۔

وہ کل سے کلینک نہیں جا رہی تھی، یا یوں کہنا زیادہ بہتر ہے کہ کوئی بھی اُسے جانے نہیں دے رہا تھا۔ وہ اپنے کمرے تک محدود ہو گئی تھی۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

افطاری پر دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر اپنی نظریں پھیر لیں۔

تراویح کے بعد وہ اپنے کمرے میں آیا اور فائق کو فون ملانے لگا۔

پہلی ہی گھنٹی پر کال اُٹھالی گئی۔

سلام دعا کے بعد وہ مدعے پر آیا۔

"تمہیں دانیہ سے محبت کب ہوئی تھی؟" فائق کو ایسے سوال کی امید نہیں تھی وہ جھینپا اور پھر ہنسنے لگا۔

"یہ کیسا سوال کر رہے ہو تم اب اِس سوال پر میں کیا جواب دوں، محبت کب، کہاں، کیسے اور کیوں جیسے سوالوں سے بالاتر ہے، یہ تو بس ہوتی ہے اور ہو جاتی ہے یا پھر نہیں ہوتی اور کچھ بھی کر لو نہیں ہوتی۔" وہ دھیمے لہجے میں اُسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

"یہی سوال مجھے بھی سمجھ نہیں آتا۔ محبت تو دل کا سکون ہوتی ہے، اِس احساس کو کوئی سمجھ نہیں سکتا نا سمجھا سکتا ہے، یہ تو محسوس کی جاتی ہے۔" وہ کیا بولنا چاہ رہا تھا فائق سمجھ نہیں سکا لیکن اِس وقت وہ اُسے بہت ٹوٹا ہوا لگ رہا تھا۔

novelsclubb@gmail
www.novelsclubb.com
IG: @novelsclubb

"میر کیا ہوا ہے مجھے بتاؤ۔" وہ نرمی سے دلاسا دینے والے انداز میں بولا۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا فائق۔ وہ مجھے سننے کے لیے تیار نہیں ہے، وہ کہتی ہے مجھے وہ اُس وقت سنے گی جب میں رشتے سے انکار کروں گا، آخر وہ کیوں نہیں سمجھتی میں اُس سے محبت کرتا ہوں اور آج سے نہیں میں سات سالوں سے اُس سے محبت کرتا ہوں جب وہ سترہ سال کی تھی لیکن میں یہ سب اُس سے نہیں کہہ سکتا تھا، کیوں کہ اُس وقت میں خود اپنے جذبات سے ناآشنا تھا اور وہ بہت چھوٹی تھی۔ میں اُسے صرف اپنی اچھی دوست اور پیاری سی کزن سمجھتا تھا، اور پھر جب وہ خود میرے پاس آئی تو مجھے سمجھ ہی نہیں آیا میں کیا کرتا وہ چھوٹی تھی بہت، دنیا کیا کہتی، لوگ کیا کہتے، کہ یتیم بچی کو تایا نے پالا اور اپنے ہی بیٹے سے اُس کی شادی کر دی تاکہ ساری جائیداد اپنے پاس رکھ لیں۔ میں بس اِسی لیے خاموشی سے چلا گیا اور وہ سمجھتی ہے کہ میں اُسے چھوڑ کر چلا گیا۔" زِمل جو ابھی اُس سے بات کرنے آئی تھی کمرے کا ادھ کھلا دروازہ دیکھ کر اندر بڑھنے لگی تھی کہ اچانک اندر سے ایک مردانہ آواز آنے لگی، وہ لوگوں کی باتیں سننے کی عادی نہیں تھی لیکن اُسے وہ باتیں غیر معمولی لگی تھیں اِسی لیے خاموشی سے

سننے لگی اور جیسے جیسے وہ بات سنتی گئی اُسے اندازہ ہونے لگا کہانی کا دوسرا رُخ بھی ہے اور وہ اب تک اُسے اِس لیے نظر نہیں آیا تھا کیوں کہ وہ اپنے رخ کو پلٹنا ہی نہیں چاہتی تھی۔

"میں اُسے چھوڑ کر نہیں گیا تھا، میرے اپنے بہت مسائل تھے میں اُسے مضبوط بنانا چاہتا تھا، تاکہ وہ اپنے پیروں پر کھڑی ہو سکے۔ میرا طریقہ غلط تھا لیکن میری نیت بری نہیں تھی اور اِس بات کا اندازہ مجھے ہو گیا تھا لیکن تب تک بہت دیر ہو گئی تھی اور اب جب میں اُسے اپنانا چاہتا ہوں تو وہ مجھے سننا ہی نہیں چاہتی۔ فائق میں ٹوٹ جاؤں گا اگر وہ مجھے چھوڑ گئی تو، وہ کہتی ہے اُسے مجھ پر بھروسہ نہیں، وہ مجھے ایسے نہیں کہہ سکتی مجھ سے زیادہ اُس کے لیے قابلِ اعتبار کوئی نہیں ہے۔" وہ بولتے بولتے تھک گیا تھا، سانسیں پھول رہی تھیں، آنکھوں کے کنارے نم ہونے لگے تھے وہ اذیت کی اتھاہ گہرائیوں میں اُتر رہا تھا۔

"پلیز اُسے سمجھاؤ فائق میں اُس کے بغیر نہیں رہ سکتا، اُس کی آنکھوں کا شکوہ مجھے شرمندگی کے گہرے سمندر میں غرق کر دیتا ہے، میں مانتا ہوں میں اُس کا مجرم ہوں لیکن ایک موقع تو ہر انسان کا حق ہوتا ہے۔ کاش وہ ایک بار مجھے سن لے۔۔۔ بس ایک بار۔" اتنا کہہ کر وہ فون کاٹ چکا تھا دوسری جانب فائق اُسے فون کرتا رہا لیکن وہ فون بند کر چکا تھا اور ایسی ہی ٹوٹی

بکھری حالت کہ اُس کے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے تھے، آنکھیں نمکین پانیوں سے بھری ہوئی، چہرہ مرجھایا ہوا، رف جینز پر سفید شرٹ پہنے وہ زمین پر بچھی قالین پر گر گیا اور وہیں پڑا رہ گیا۔

وہ اِس سے زیادہ اُس کی ایسی حالت نہیں دیکھ سکتی تھی وہ پلٹنے لگی تھی جب اُس کی نظر ازمیر کے ہاتھوں پر گئی جن سے وہ اپنی آنکھیں صاف کر رہا تھا۔

وہ رو رہا تھا۔۔۔ازمیر امین رو رہا تھا۔۔۔وہ اُس کا سارا مان اور غرور توڑ گئی تھی۔۔۔وہ ایک بتیس سالہ مرد تھا جو اپنی محبت کے آگے ہار گیا تھا۔

وہ دنیا میں کوئی بھی نظارہ دیکھ سکتی تھی لیکن اُس شخص کے آنسو جس سے اُسے محبت تھی وہ دیکھ نہیں سکی اور تیزی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔وہ ٹوٹ گیا تھا تو جُڑ وہ بھی نہیں پائی تھی۔

آج دو لوگ ایک ہی جذبہ رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے لیے رو رہے تھے، رات لمحہ لمحہ سرِک رہی تھی اور اپنے ساتھ بہت سے دُکھ بہا کر لے جا رہی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

آج ستائیسواں روزہ تھا، دانیہ کی رخصتی عید کے چوتھے دن طے پائی تھی اور انتیسویں روزے یعنی دو دن بعد زِمل اور ازمیر کا نکاح طے کیا تھا۔

وہ دونوں مکمل خاموش تھے نا ازمیر کی طرف سے کوئی بات کی گئی تھی اور نا زِمل نے پھر انکار کے حوالے سے کوئی بات کی تھی۔

ابھی وہ اپنے کمرے میں تھا اور آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب ناہید بیگم اُس کے پاس آئیں۔

"میر و بیٹا تم کہاں جا رہے ہو؟" وہ نرمی سے اُس کے بالوں کو چھوتے ہوئے بولیں۔

"امی آفس جا رہا ہوں۔ لندن والا تو فی الحال یہیں سے دیکھ رہا ہوں، سوچا یہاں والے آفس بھی جاؤں تاکہ جو معاملات حل نہیں ہو رہے وہ بھی حل ہو سکیں۔" وہ نرمی سے بولا لیکن مسکراہٹ جو اُس کے چہرے پر سجی رہتی تھی آج غائب تھی۔

"ٹھیک ہے بیٹا لیکن میں چاہ رہی تھی تم واپس آ کر زِمل کو شاپنگ پر لے جاؤ۔ اُسے نکاح کا جوڑا دلانا ہے۔" وہ سبھاؤ سے بولیں۔

"ٹھیک ہے ماما۔اب میں چلتا ہوں اللہ حافظ۔" وہ اب کی بار دھیما سا مسکرایا اور اُنہیں گلے لگا کر الوداع کیا اور چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ آج تین دن بعد اپنے کلینک گئی تھی اور اب افطاری کے بعد لوٹ رہی تھی، سارے مریضوں کے سیشنز رُکے ہوئے تھے اِسی لیے آج بہت رش تھا۔

وہ اُس رات کے بعد سے کچھ بھی سوچ نہیں پا رہی تھی، وہ اپنی خود ساختہ ناراضگی سے نکل آئی تھی اور اب مقابل کا نقطۂ نظر بھی اُسے غلط نہیں لگ رہا تھا اِسی لیے دوبارہ اُس نے کوئی بات نہیں کی تھی۔ وہ اِس رشتے سے راضی تھی اور اب وہ اپنے گھر والوں کو ناراض نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ رات کے دس بجے گھر میں داخل ہوئی تھی وہ اِس پل باہر لان میں ٹہل رہا تھا اُسے دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"زِمل میری بات سنو۔" وہ اُس کے قریب آتے ہوئے بولا۔

"میں نے تمہارے لیے نکاح کا جوڑا خریدا تھا اگر پسند نا آئے تو مجھے بتا دینا، میں تمہیں ساتھ لے جاؤں گا تم اپنی پسند سے لے لینا۔ یہ تو مجھے اچھا لگا تھا اِسی لیے میں نے لے لیا تھا۔" وہ رکا اور اُس کا چہرہ دیکھنے لگا جو اِس وقت بے تاثر تھا، اُس کی ہمت بڑھی۔

"میں جانتا ہوں میں نے تمہاری ناراضگی میں اور اضافہ کر دیا ہے تمہاری مرضی کا احترام نا کرتے ہوئے لیکن میں مجبور ہوں، میں تمہارے معاملے میں خود غرض ہو رہا ہوں، ہو سکے تو مجھے معاف کر دینا لیکن میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتا یہ میرے اختیار میں نہیں ہے، تم چاہو تو مجھے چھوڑ سکتی ہو میں تمہارے راستے کا کانٹا نہیں بنوں گا لیکن تم مجھ سے یہ چاہو کہ میں خود تمہیں چھوڑ دوں تو یہ ممکن نہیں کیوں کہ ازمیر امین زِمل انصاری کو نہیں چھوڑ سکتا اور مجھے اپنی محبت پر یقین ہے کہ ایک نا ایک دن میں تمہیں منا لوں گا۔" وہ سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے واپس پیچھے ہٹنے لگا، اُس کے چہرے پر دوسرا کوئی تاثر نہیں تھا اور وہ آنکھیں بند کر کے بھی کہہ سکتی تھی کہ وہ سچ کہہ رہا ہے۔ وہ واپس اپنی جگہ پر چلا گیا اِس کا مطلب صاف تھا وہ جا سکتی ہے اور وہ خاموشی سے پلٹ گئی اور اپنے کمرے میں آ کر دروازہ بند کر لیا۔

☆☆☆☆☆☆☆

کمرے میں جیسے ہی داخل ہوئی بستر پر نظر پڑی، سفید چادر پر گلابی پھولوں کا گلدستہ رکھا ہوا تھا اُسی کے ساتھ ایک طرف بڑا سا باکس رکھا تھا جس پر ایک چِٹ لگی تھی جس پر ایک ہی سطر تھی۔

"تمہارے خوبصورت دل کے نام۔" وہ چِٹ دیکھتی رہ گئی اور آنکھوں کے کنارے نم ہو گئے تھے، یہ التفات تو وہ جب چاہتی تھی تب وہ کر نہیں سکا تھا اور آج جب وہ اِس سب سے باہر نکل آئی تھی تو وہ پھر اُسے اِس سب کا عادی بنانے کی کوشش کر رہا تھا۔

وہ ڈبہ اُس نے کھولا اور اندر سے وہ جوڑا نکالا تو ڈھیر ساری سفید پھولوں کی پتیاں اُس پر گریں اور وہ اُس جوڑے کی بناوٹ دیکھتی رہ گئی تھی۔

ہلکے آسمانی رنگ میں بٹر سِلک کا پیروں کو چھوتا گاؤن جِس کا ایک سرا اساڑھی نُما اسٹائل میں گاؤن کے ایک کندھے سے جُڑا تھا اور اُس کا لمبا پلو پیچھے کی جانب گرتا ہوا پیروں تک آ رہا تھا، گلا پورا بند تھا اور چُنیں گلے سے نکل کر کمر کی بیلٹ تک جا رہی تھیں، اُسی حصے پر نازک کام تھا جو اصلی زرقون کے نگوں سے کیا تھا، ویسا ہی کام پوری کمر کی بیلٹ تک کیا گیا تھا، سِلک کی آستینیں چُست اور کلائیوں تک بند تھیں، کمر سے نکلتی ہوئی چُنیں پیروں تک پہنچ کر ایک

بڑا سا گھیر بنا رہی تھیں، بلاشبہ وہ جوڑا ہر دیکھنے والی آنکھ کو خیرہ کر سکتا تھا ساتھ میں ہم رنگ سِلک کا حجاب وہ مبہوت رہ گئی، اُس کی پسند نایاب تھی۔

جوڑے کے ساتھ ایک دوسرے ڈبے میں نازک سی سلور رنگ کی ہیلز اور ایک چھوٹے سے ڈبے میں اُس کا زیور تھا، جس میں نازک سا نیکلیس، چھوٹے چھوٹے اسٹڈز اور ایک نازک سا کراؤن موجود تھا۔ وہ ہر چیز دیکھ کر حیران رہ گئی تھی جو اُس نے خریدی تھی۔ ہر چیز اپنے قیمتی ہونے کا ثبوت دے رہی تھی۔

پہلی بار آج اتنے عرصے میں اُس کے ہونٹوں کو مسکراہٹ نے چُھوا وہ مسکرائی تھی، پورے دل سے۔۔ وہ خوش تھی کیوں کہ اُسے اندازہ ہو چکا تھا محبت سے جنگ کرنے والے ٹوٹ جاتے ہیں اور اُس نے اپنے آپ کو آزاد کر دیا تھا۔ وہ خوش تھی کیوں کہ ازمیر امین کو اُس سے محبت تھی اُس کا اظہار اُس کے لیے اہم نہیں تھا، اُس کے لیے یہی بہت تھا کہ وہ واپس آ گیا تھا۔

وہ مسکراتے ہوئے چیزیں سمیٹنے لگی تھی اور پھر ایک لمبی مسافت طے کرنے کے بعد وہ آگے کی زندگی کے بارے میں سوچتے ہوئے سو گئی تھی۔

☆☆☆☆☆☆☆

انتیسواں روزہ بخیر و عافیت سے گزر گیا تھا۔آج کا پورا دن گھر میں ایک ہلچل سی مچی ہوئی تھی کیوں کہ رات دس بجے کے بعد اُن دونوں کا نکاح تھا اور تمام انتظامات گھر کے لان میں ہی کیے گئے تھے۔

زیادہ لوگ نہیں تھے بس والیہ اور دانیہ کے سسرال والے تھے اور باقی سب گھر کے لوگ تھے۔

لان کو سفید اور ہلکے نیلے رنگ کی تھیم سے سجایا گیا تھا، سٹیج کو سفید اور نیلے پھولوں سے سجایا تھا، چاروں اطراف سفید پھول اور کلیاں لگی تھیں، پورا لان اِس پہر پھولوں سے بھرا ہوا اور ہر ایک کو خوشبو کا احساس بخش رہا تھا۔

سب لوگ آ چکے تھے، وہ سفید رنگ کے کُرتا پاجامہ میں ملبوس اور اوپر سفید رنگ کی واسکٹ جس پر سنہرے رنگ سے ہلکا سا کام ہوا تھا پہنے ہوئے، سیاہ بالوں کو جیل سے پیچھے کو جمائے، بھورے جوتے پہنے ہوئے تھا۔

آج گندمی رنگت پر اُس کی سیاہ آنکھیں ستاروں کی مانند چمک رہی تھیں۔بلاشبہ آج اُس کے چہرے پر ایک الوہی سی مسکان تھی۔وہ خوش شکل تھا لیکن آج ہر دیکھنے والی آنکھ اُسے نظر بھر کر دیکھنے پر مجبور تھی۔

کچھ ہی دیر میں سارے مہمان آ چکے تھے اور اُن دونوں کا نکاح ہو گیا تھا،اب زِمل کو اُس کے پاس لایا جا رہا تھا۔

دانیہ اور والیہ اُسے لے کر آ رہی تھیں،اُن دونوں کے ساتھ چلتی ہوئی وہ سب سے خوبصورت اور سب میں نمایاں لگ رہی تھی۔

وہی آسمانی رنگ کا گاؤن پہنے،ہاتھوں میں نازک سی انگوٹھیاں پہنے،سیاہ آنکھوں میں کاجل لگائے،ستواں ناک میں سفید موتیوں سے سجی نتھ پہنے،سر پر وہی سِلک کا حجاب باندھے اور اوپر سفید رنگ کا جالی دار دوپٹہ ٹکائے جس پر وہی تاج سجا ہوا تھا،چہرہ ہلکے میک اپ میں دمک رہا تھا،پیروں میں وہی سلور ہیلز پہن رکھی تھیں،بلاشبہ وہ حسین تھی اور لگ رہی تھی۔

اُس کی سانولی رنگت پر یہ رنگ بہت کھل رہا تھا۔ازمیر نے ایک نظر اُسے دیکھا اور پھر وہ نظر ہٹانا بھول گیا تھا۔وہ آج اُسے بہت اپنی لگ رہی تھی۔چھ سال بعد ہی سہی لیکن اُن دونوں نے ایک دوسرے کو پالیا تھا۔

وہ دونوں اُسے ازمیر کے ساتھ بٹھا گئی تھیں۔

دانیہ بھی اِس وقت بھورے رنگ کے لہنگے میں ملبوس تھی اور اُن دونوں کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی کہ اُسے اپنے پاس کوئی آتا دکھائی دیا۔

"زِمل سے کچھ سیکھ لو کیسے خاموشی سے بیٹھی ہے اور آرام سے ہاں کر دی تھی اُس نے اور ایک تم تھیں ایسا لگ رہا تھا زبردستی بٹھایا ہو جیسے۔"فائق جو کب سے اُسے ڈھونڈ رہا تھا اور اب جب وہ اُسے نظر آگئی تھی تو اُسے تنگ کرنا ضروری سمجھا۔

"آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ رخصتی ابھی باقی ہے،ایسی باتوں پر پھر آپ کو خالی ہاتھ جانا پڑے گا، کہیں ایسا نا ہو آپ کی کوئی بات مجھے بری لگ جائے اور میں رخصتی سے انکار کر دوں۔"وہ شرارت سے بھرپور لہجے میں بولی اور اُس کی دھمکی کافی کارگر ثابت ہوئی وہ ڈرتے ہوئے اُس سے معذرت کرنے لگا اور فوراً وہاں سے ہٹ گیا۔آیا کہیں وہ واقعی انکار نا

کر دے بڑی مشکل سے تو مانی تھی اب اگر نا مانی تو وہ ویسے ہی بوڑھا ہو جائے گا یہ سوچ اُسے ڈرا گئی تھی وہ جلدی سے وہاں سے غائب ہو گیا۔

دوسری جانب وہ اب تک اُسے دیکھ رہا تھا اور وہ اُس کی نظریں خود پر محسوس کر رہی تھی اور بہت دیر تک جب وہ ایسے ہی اُسے دیکھتا رہا تو وہ نظر اُٹھا کر اُسے دیکھنے لگی اور پہلی ہی نظر میں دونوں کی نگاہیں ملیں اور ٹھہر گئیں۔ سیاہ آنکھیں سیاہ آنکھوں سے ٹکرائیں اور ساکت ہو گئیں۔ وہ دونوں ایک دوسرے کا عکس ایک دوسرے کی آنکھوں میں دیکھ رہے تھے اور آج اِس عکس میں کوئی شکوہ، ناراضگی، درد، ندامت، افسوس، اذیت جیسے تاثر نہیں تھے بلکہ صرف ایک تاثر تھا، جس کا نام تھا محبت۔۔۔ بے شک محبت دو ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ گئی تھی۔ وہ اُسے دیکھ کر مسکرایا وہ نظریں جھکا گئی تھی اور ازمیر امین کے لیے یہ نگاہوں کا سنگم بہت دلکش تھا، وہ مسکرایا پورے دل سے کیوں کہ آج چھ سال بعد زِمل انصاری کی آنکھوں میں موجود ہر منفی جذبہ اُس کے لیے ختم ہو گیا تھا اور جو کچھ باقی رہ گیا وہ اُسے بھی اب ختم کر دے گا یہ اُسے یقین تھا۔

وہ اُسے دیکھ کر پھر مسکرایا، فائق اُسے تنگ کر رہا تھا اور وہ مسکراتے ہوئے اُس کی باتوں کا جواب دے رہا تھا۔ آج وہ بات بے بات مسکرا رہا تھا۔

بے شک محبت کی تکمیل نکاح ہے اور آج اُس نے اپنی محبت پا لی تھی، اب مسکراہٹیں اُس کا حصہ بننے والی تھیں۔

اِنہیں مسکراہٹوں کے درمیان نکاح کی تقریب ختم ہوئی اور سب اپنے گھروں کی جانب چلے گئے اور وہ دونوں بھی اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

رات کے دو بج رہے تھے، وہ چچی سے اجازت لے چکا تھا اور اب وہ اُس کے کمرے کے باہر کھڑا دروازے پر دستک دے رہا تھا۔

وہ پہچان گئی تھی رات کے اِس وقت کون دروازہ بجانے کی جرآت کر سکتا تھا۔ وہ بستر سے اُٹھ کر آئی اور دروازہ کھول دیا۔

"جی؟" ڈھیلی ڈھالی ٹی شرٹ کے ساتھ ہم رنگ ٹراؤزر پہنے، کھلے بالوں میں وہ پیاری لگ رہی تھی۔

"زِمل جلدی سے تیار ہو جاؤ، ہم باہر جا رہے ہیں۔" وہ جلدی سے بولا اور ابھی وہ کوئی جواب دیتی کہ برابر کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک نسوانی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"میں بھی تیار ہو کر آتی ہوں، ساتھ چلتے ہیں۔" وہ اُن دونوں کو تنگ کرتے ہوئے بولی اور زِمل کی جانب مسکراتی آنکھوں سے دیکھا جو اُس کے سوال پر چھینپ گئی اور فوراً اندر چلی گئی۔

"رکو میں فائق کو فون کر دیتا ہوں، وہ لے جائے گا تمہیں ویسے بھی کافی وقت سے کہیں گئی نہیں ہو نا تم اُس کے ساتھ، اچھا ہے دونوں گھوم کر آ جاؤ گے۔" وہ بظاہر سنجیدہ لہجے میں بولا لیکن آنکھوں میں شرارت ناچ رہی تھی۔

"ارے نہیں میرو بھیا، مجھے تو نیند آ رہی ہے، آپ دونوں جائیں مزے کریں۔" وہ فوراً سے اپنے کمرے میں بند ہو گئی وہ مسکرایا، نکاح کو ایک سال ہو گیا تھا لیکن وہ آج بھی فائق کے نام سے دور بھاگتی تھی۔

دس منٹ بعد وہ ہلکے گلابی رنگ کی انارکلی فراک جس کا گھیر ٹخنوں تک آتا تھا پہن کر باہر آئی، بال جوڑے میں قید تھے، اور دوپٹہ گلے میں ڈالا ہوا تھا۔

وہ اُسے دیکھ کر مسکرایا اور پھر اُسے اپنے ساتھ گاڑی میں لے گیا۔

کراچی کی سڑکیں اِس پہر بھی رونق کا احساس بخش رہی تھیں۔

وہ اُسے لیے ایک قریبی ہوٹل میں آ گیا اور وہاں دونوں نے کھانا کھایا اور پھر وہ اُسے لیے لونگ ڈرائیو پر چلا گیا۔

رات کے ساڑھے تین بجے سمندر بالکل سنسان تھا۔ دو ہیولے ریت پر چلتے ہوئے قدموں کی چھاپ چھوڑ رہے تھے۔

"میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔" وہ چلتے چلتے رُکا اور پھر اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"جی کہیں۔" وہ بھی رُک کر اُسے دیکھنے لگی۔

"میں تم سے معذرت کرنا چاہتا ہوں کہ میری وجہ سے تم نے اتنے سال دکھ میں گزارے، میری کہی گئی باتوں نے تمہیں بہت دکھ دیے تھے لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ تمہارے بغیر میں ادھورا رہ گیا تھا۔ میں نہیں جانتا تم کیسے اِس رشتے کے لیے تیار ہو گئیں لیکن پھر بھی میں اپنی کی گئی ہر زیادتی کو قبول کرتا ہوں اور تم سے معافی چاہتا ہوں، مجھے معاف کر دو۔" وہ نظریں جھکائے معافی مانگ رہا تھا مقابل کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"آپ معافی کیوں مانگ رہے ہیں، غلطی میری بھی تھی میں نے اپنے علاوہ آپ کے بارے میں سوچا ہی نہیں کہ آپ کیا چاہتے ہیں، میں بھی اپنے سابقہ رویے کے لیے آپ سے معافی مانگ رہی ہوں، آپ مجھے بھی معاف کر دیں۔" وہ نرم نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے بولی، وہ مسکرایا اور سر اثبات میں ہلا کر کچھ اور بولنے لگا۔

"تمہارا شکریہ، میری زندگی کا حصہ بننے کے لیے اور مجھے قبول کرنے کے لیے۔" وہ مسکراتے ہوئے اُسے اعزاز بخش رہا تھا، وہ بھی مسکرائی پھر اُس نے زِمل کے ہاتھوں کو دیکھا جن میں کچھ گھنٹوں پہلے پہنی گئی انگوٹھیاں اب موجود نہیں تھیں، ہاتھ بالکل خالی تھے اور اِس پل سمندر کی ٹھنڈی ہوا اور موسم کی خنکی کے باعث سرخ ہو رہے تھے۔ وہ اُس کے ہاتھوں کی رنگت دیکھ کر مبہوت رہ گیا پھر دھیرے سے بولا۔

"کیا میں تمہارے ہاتھ پکڑ سکتا ہوں؟" وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی پھر مسکراتے ہوئے سر اثبات میں ہلایا۔ ازمیر نے اُس کے ہاتھوں کو تھاما اور نرمی سے اپنے ہاتھوں میں قید کر گیا، کچھ دیر بعد جب وہ گرم ہو گئے تو اُس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی جس میں ایک نازک سی ہیرے کی انگوٹھی تھی جس پر دو پتے بنے تھے اور اُن پتوں کو وہ ہیرا جوڑے ہوئے تھا۔ وہ

اُس کی چمک اور بناوٹ دیکھتی رہ گئی اتنے میں اُس نے وہ انگوٹھی اُس کی انگلی کی زینت بنادی،

"شکریہ" وہ بس اتنا ہی بولا اور دوبارہ اُس کا ہاتھ تھامے آگے بڑھنے لگا۔

وہ بھی مسکراتے ہوئے چہرے اور چمکتی آنکھوں کے ساتھ اُس کے ہم راہ چلتی آگے بڑھنے لگی۔

وہ دونوں ایک دوسرے سے مطمئن تھے، چھ سال بعد ہی سہی لیکن اب وہ ساتھ تھے۔

رات کے ساڑھے چار بجے تک وہ وہیں ساحلِ سمندر پر اپنے قدموں کے نشان بناتے رہے اور پھر وہیں ایک ریستوران سے کافی پی کیوں کہ کھانا وہ کچھ دیر پہلے کھا چکے تھے تو اب بھوک نہیں لگ رہی تھی اِسی لیے کافی پی اور اپنے گھر آ گئے۔

گھر پہنچ کر دونوں نے نماز پڑھی اور اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

☆☆☆☆☆☆☆

آج آخری روزہ تھا اور اب کل عید ہونے والی تھی، زِمل کا آج بھی وہی حال تھا چاند رات تک اُس کی کوئی نا کوئی چیز رہ ہی جاتی تھی۔

اب بھی وہ ریحانہ بیگم سے کہہ رہی تھی کہ وہ اُسے چوڑیاں دلا لائیں، ایسا نہیں تھا کہ اُس کی چوڑیاں نہیں آئی تھیں لیکن اُسے وہ چوڑیاں پسند نہیں آ رہی تھیں اِسی لیے اب اُسے نئی چوڑیاں چاہیے تھیں۔ ابھی وہ کچھ اور بولتی کہ کمرے کے دروازے پر دستک ہوئی اُنہوں نے آنے والے کو اجازت دی، وہ اندر آ گیا۔

"چچی اگر آپ برا نا مانیں تو میں زِمل کو بازار لے جاؤں؟ مجھے اِسے کچھ چیزیں دلانی ہیں۔" وہ سنجیدگی سے اُنہیں دیکھتے ہوئے بولا اور اب اُن کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

"مجھے کوئی مسئلہ نہیں ہے میر و تم اِسے لے جاؤ۔" وہ نرمی سے کہتے ہوئے اپنی جگہ سے اُٹھ گئیں۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

زِمل بھی اجازت ملتے ہی فوراً اپنے کمرے میں آ کر تیار ہوئی اور دس منٹ میں وہ نیچے پورچ میں کھڑی گاڑی میں بیٹھ رہی تھی، جس کا دروازہ ازمیر نے کھولا تھا۔

جب وہ بیٹھ گئی تو وہ بھی گھوم کر آیا اور اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔

وہ دونوں خاموش تھے، وہ اپنی گاڑی چلانے میں مصروف تھا اور وہ اُسے دیکھ رہی تھی۔

"جی بولیں۔" وہ اُس کی آواز سن کر چونکی پھر سوالیہ نظروں سے اُس کی جانب دیکھنے لگی۔

"اتنی دیر سے آپ مجھے دیکھ رہی ہیں اِس کا مطلب ہے کچھ کہنا چاہتی ہیں اِسی لیے کہہ رہا ہوں، بولیں۔" وہ اُس کے اتنے درست تجزیے پر ہنسنے لگی وہ بھی اُس کی کھلکھلاہٹ سن کر مسکرانے لگا۔

"دراصل میں آپ کا شکریہ ادا کرنا چاہ رہی تھی۔"

"جی تو کریں۔" وہ اُسے چھیڑتے ہوئے مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔

"کیا؟" وہ حیرانی سے دیکھنے لگی۔

"شکریہ اور کیا۔" وہ ہنسنے لگی اور ہنستی ہی چلی گئی وہ بھی سر جھٹکتے مسکرایا اور گاڑی چلانے لگا جب وہ بولی۔

"شکریہ ہر اُس چیز کے لیے جو آپ نے اب تک میرے لیے کی، بچپن سے لے کر آج تک آپ نے میرے لیے بہت کچھ کیا جو کوئی نہیں کرتا اُس سب کے لیے آپ کا بہت شکریہ، اور۔۔۔" وہ کچھ جھجھک کا شکار ہوئی وہ بھی گردن موڑ کر اُسے دیکھنے لگا۔

"اور؟" الجھی نظروں کے ساتھ سوالیہ انداز میں پوچھا۔

Clubb of Quality Content

''نکاح کے جوڑے اور اِس انگوٹھی لیے بھی شکریہ۔آپ کی پسند بہت اچھی ہے یہ اندازہ مجھے اب ہوا ہے۔'' وہ نظریں جھکاتے ہوئے بولی۔

''میری پسند واقعی اچھی ہے اِسی لیے تم میرے ساتھ ہو،اور رہی بات وہ لباس اور اِس انگوٹھی کی تو یہ سب میں نے لندن میں خریدا تھا، پچھلے چھ سالوں میں میں نے تمہیں بہت یاد کیا اور جب جب تم مجھے یاد آتی تھیں میں تمہارے لیے کچھ نا کچھ خریدتا رہتا تھا اِس امید پر کہ کبھی نا کبھی ہمارا تعلق بہتر ہو جائے گا پھر میں وہ سارے تحفے تمہیں دوں گا۔دیکھو آج ہم ساتھ ہیں۔اب اِن سب چیزوں پر تمہارا حق ہے۔'' وہ نرم لہجے میں بولتے ہوئے اُسے معتبر کر گیا وہ مسکرانے لگی اور اِنہیں باتوں میں سفر گزر گیا۔

کچھ دیر بعد وہ کراچی کے علاقے حیدری میں موجود حیدری مارکیٹ میں کھڑے چوڑیاں پسند کر رہے تھے۔

اُس نے سفید اور گلابی چوڑیاں لی تھیں اور وہیں ایک چھوٹا سا اسٹال لگا تھا جہاں لڑکیوں کو مہندی لگائی جا رہی تھی۔

ازمیر کے کہنے پر اُس نے بھی مہندی لگ والی تھی اور اب سارے کاموں سے نمٹ کر وہ لوگ گھر جا رہے تھے۔

☆☆☆☆☆☆☆

وہ لوگ رات کے ایک بجے تک واپس آئے تھے اور اب سارے گھر والے سو چکے تھے، دانیہ بھی فائق کے ساتھ شاپنگ پر گئی ہوئی تھی اور ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔

وہ اپنے کمرے میں ٹہل رہی تھی، آج کئی سالوں بعد اُس نے ازمیر کے کہنے پر مہندی لگوائی تھی ورنہ وہ نہیں لگاتی تھی اور اب اُسے مہندی سے الجھن ہو رہی تھی لیکن اُسے فی الحال لگائے رکھنی تھی۔

ناولز کلب
Clubb of Quality Content

یہ تو ایک عام بات ہے جب لڑکیاں مہندی لگاتی ہیں تو اُنہیں دنیا کے سارے کام اُسی وقت یاد آجاتے ہیں۔ اُسے بھی اب سب کچھ یاد آ رہا تھا اور سب سے زیادہ اُس کا کافی پینے کا دل کر رہا تھا۔ وہ اُٹھی اور کچن میں آگئی کہ سامنے وہ کھڑا تھا۔ اُسے دیکھ کر پلٹا اور اندر آنے کا اشارہ کیا۔

"تم یہاں، کچھ چاہیے کیا؟"

"مجھے کافی پینی ہے بس وہی بنانے آئی ہوں۔" آرام سے کچن میں موجود کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"تم اندر جاؤ، آرام کرو، یہ تمہاری کافی بن رہی ہے میں بس ابھی لے کر آتا ہوں۔" وہ جو پہلے سی ہی اُس کے لیے کافی بنا رہا تھا اُس کی بات سنتے ہوئے نرمی سے بولا۔ وہ سر خم کر کے اُٹھ گئی اور باہر لان میں موجود اپنے کین کے جھولے پر جا کر بیٹھ گئی۔

پانچ منٹ میں کافی تیار کر کے وہ وہیں لے آیا تھا کیوں کہ ہال میں موجود کھڑکی سے وہ اُسے یہاں بیٹھی نظر آ گئی تھی۔

قریب آ کر اُس نے اُس کا کپ اُسے دیا جسے وہ شکریہ کہہ کر قبول کر گئی۔ وہ بھی پاس رکھی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"تمہیں یاد ہے زِمل ایک رات تم یہیں بیٹھی ہوئی تھیں، اِسی جھولے پر اور تیز طوفانی بارش میں بھیگ رہی تھیں اور ایسے ہی تمہارے ہاتھ میں کافی کا کپ تھا اور تم پوری دنیا سے لاتعلق بنی، سب سے ناراض ہو کر یہیں بیٹھی ہوئی تھیں۔" وہ بولتے بولتے رکا اور وہ اُس کے بولنے کا انتظار کرنے لگی۔

"اُس پل میں نے تمہیں بہت غور سے دیکھا تھا اور پھر میری نظر تم پر ٹھہر گئی تھی، اُس رات تمہارے ہر عمل نے مجھے توڑ دیا تھا، جب تم بھیگ رہی تھی مجھے وہ ٹھنڈی بوندیں خود پر محسوس ہو رہی تھیں، پھر جب تم مجھ سے لڑ رہی تھیں مجھے لگا میں تمہیں کبھی منا نہیں پاؤں گا، پھر جب تم نے ٹوٹ کر مجھ سے کہا تو مجھے لگا میں تمہیں توڑ چکا ہوں اب جوڑ نہیں پاؤں گا اور آخر میں جب تم نے مجھے تھکن بھری نظروں سے دیکھا تو مجھے لگا میں تمہیں ہار چکا ہوں اب کچھ بھی ہو جائے تم نہیں مانو گی لیکن تم مان گئیں اور اب تم میرے سامنے بیٹھی ہو تو میں چاہتا ہوں تم میرے سامنے ہی رہو اگر تم دور ہو گی تو سمجھوں گا شاید میں نے ایک بار پھر تمہیں کھو دیا ہے۔" وہ چپ ہو گیا تھا، اُس کی بات مکمل ہو گئی تھی، وہ اُسے دیکھنے لگا جو اُسے ہی دیکھ رہی تھی پھر وہ مسکرائی اور کچھ کہنے لگی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا ازمیر امین کبھی مجھ سے یوں اظہارِ محبت بھی کریں گے، میں نے تو صرف آپ کا ساتھ مانگا تھا لیکن آپ تو میری عادتیں خراب کر رہے ہیں پھر بھی آپ یہ مت بھولیے گا کہ میں آپ کی اِن باتوں میں آجاؤں گی کیوں کہ اب میں ایک پروفیشنل سائیکالوجسٹ ہوں، ذہن پڑھ سکتی ہوں تو آپ احتیاط کیجیے گا کہیں آپ کا جھوٹ میرے

سامنے نا آجائے۔" بظاہر سنجیدہ لہجے میں کہتے ہوئے، اپنی اُمڈتی ہوئی مسکراہٹ کو روکنے میں ناکام ہوتی زِمل نے یہ جملہ اُسے غصہ دلانے کے لیے بولا تھا لیکن مقابل اُس کے مذاق کو سمجھ گیا تھا اور اب وہ ہنس رہا تھا، دل کھول کر اور وہ اُس کی ہنسی کی گونج سن کر مسکرا رہی تھی۔

بلاشبہ یہ منظر مکمل تھا، وہ اُسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا اور وہ اپنی کوئی نا کوئی کہانی اُسے سنا رہی تھی اور ایسے ہی رات کی چاندنی اُن دونوں کو مسکراتے دیکھ آہستہ آہستہ سرک رہی تھی لیکن وہاں پرواہ کسے تھی، وہ خوش تھے بس یہی کافی تھا۔

☆☆☆☆☆☆☆

عید کے دن ہر طرف چہل پہل مچی ہوئی تھی۔ سارا گھر شام میں ہونے والی دعوت کی تیاری میں مصروف تھا۔ آج والیہ اور اُس کے سسرال والوں کی دعوت تھی اور کل فائق اور اُس کے گھر والوں کو آنا تھا۔

دعوت شام میں تھی اِس لیے ناہید بیگم اور ریحانہ بیگم کچن کے کاموں میں لگی ہوئی تھیں اور ملازم بھی اُن کی مدد کر رہے تھے۔

وہ عید کی نماز پڑھ کر آ گیا تھا اور اب ریحانہ چچی زِمل سے کہہ رہی تھیں کہ وہ اُسے شیر خورمہ دے آئے۔

وہ تیار ہو چکی تھی اور اب سیڑھیاں اُتر رہی تھی اور وہ جو تایا ابا سے عید مل لیا تھا اب اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا جب اُسے سیڑھیاں اُترتے ہوئے دیکھا تو اپنی جگہ ٹھہر گیا۔

وہ سفید رنگ کا گھیر دار انگرکھا پہنے جس پر ہلکے ہلکے گلابی رنگ کے پھول بنے ہوئے تھے، چوڑی دار آستینیں کلائیوں تک آ رہی تھیں جس پر چھوٹے چھوٹے سفید موتی لگے تھے، یہی موتی اُس کے گلے اور دامن پر لگے تھے، گلابی رنگ کا چوڑی دار پاجامہ پہنے ساتھ میں ہم رنگ شیفون کا دوپٹہ کندھوں پر ڈالے، نازک سی گلابی ہیلز پہن رکھی تھیں، ہاتھوں میں وہی انگوٹھی اور گلے میں وہی نیکلیس پہنا تھا جو وہ اُس کے لیے لایا تھا، کانوں میں نازک سے آویزے پہنے، سیاہ لمبے بالوں کی چوٹی گوندھے آگے کو ڈال رکھی تھی، آنکھوں میں کاجل اور ہاتھوں میں مہندی لگائے، چہرے پر ہلکا سا میک اپ کر رکھا تھا، وہ اپنی تیاری سے مکمل لگ رہی تھی۔ وہ اُسے دیکھنے لگا اور وہ بھی اُسے ہی دیکھنے لگی جو سفید شلوار قمیض میں موجود ماحول پر چھا رہا تھا۔

کتنی ہی دیر گزری وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر وہ کھنکاری تو وہ ہوش میں آیا۔

"عید مبارک۔" وہ ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے بولا۔

"خیر مبارک۔" وہ ہاتھ ملاتے ہوئے بولی۔

"تمہارے لیے کچھ بنوایا تھا اگر تم برا نا مانو تو کیا تمہیں دے سکتا ہوں؟" وہ اجازت مانگ رہا تھا وہ مسکرائی اور سر اثبات میں ہلایا، وہ فوراً باہر گیا اور کار میں موجود اپنی مطلوبہ شے لے کر واپس آیا۔

اُس کے ہاتھ میں دو سفید اور گلابی پھولوں سے بنے کنگن موجود تھے وہ دل کھول کر مسکرائی۔ بچپن سے وہ کنگن پہننے کی شوقین تھی لیکن ریحانہ بیگم اُسے یہ کہہ کر چپ کروا دیتی تھیں کہ جب تمہاری شادی ہو جائے تب پہننا اور آج وہ شخص جِس سے اُس نے بے حد محبت کی تھی وہ ایک مان سے اُس کے لیے کنگن لایا تھا وہ مسکراتی نا ایسا ممکن ہی نہیں تھا۔

"کیا میں پہنا سکتا ہوں؟" وہ کنگن ہاتھوں میں لیے اُس کے ہاتھوں کو دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا وہ مسکراتے ہوئے ہاتھ آگے کر گئی جس میں اُس نے کنگن پہنائے اور ہاتھ چھوڑ دیے، وہ

اپنے ہاتھوں کو اوپر کر کے دیکھنے لگی اور پھولوں کی خوشبو کو محسوس کرنے لگی وہ اُس کا اشتیاق دیکھ کر مسکرایا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" وہ چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگی پھر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"آپ بھی۔" اب کی بار وہ ہنس پڑا اور پھر دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنسنے لگے پھر وہ اپنے کمرے کی جانب بڑھ گیا اور وہ گھر کے کاموں میں لگ گئی۔

☆☆☆☆☆☆☆

عید گزر گئی تھی اور دانیہ کی رخصتی اور ولیمہ بھی ہو چکا تھا۔

دانیہ کی رخصتی والے دن ہی ازمیر اور زِمل کی رخصتی بھی ہو گئی تھی کیوں کہ اُسے واپس لندن جانا تھا، اب کیوں کہ اُس کا کاروبار دونوں ملکوں میں تھا تو وہ مستقل طور پر پاکستان میں نہیں رہ سکتا تھا اُسے کچھ وقت وہاں اور کچھ وقت یہاں رہنا تھا اِسی لیے موقع کی مناسبت سے گھر والوں نے اُن دونوں کی رخصتی کر کے ولیمہ کر دیا تھا۔ کل رات کو وہ دونوں لندن جا رہے تھے اور عباس ہاؤس سنسان ہونے والا تھا لیکن یہی زندگی تھی کوئی بھی رشتہ ہر وقت کے

لیے نہیں ہوتا، ہر رشتہ وقت کے ساتھ اپنا کردار ادا کرتا ہے اور چلا جاتا ہے اُن دونوں کو بھی اب جانا تھا، اپنی کہانی کو ایک نئے طرز سے شروع کرنا تھا۔

وہ دونوں آج رات اِس گھر میں اپنی آخری رات گزار رہے تھے۔

وہ لان میں بیٹھے کافی پی رہے تھے، وہ اپنے جھولے پر بیٹھی تھی اور وہ پاس رکھی کرسی پر، وہ اُسے دیکھنے لگا جو چھوٹی سی قرمزی رنگ کی قمیض پر گھیر دار شلوار پہنے، سیاہ بالوں کو کھولے ہوئے تھی جو اِس پل ہوا کی وجہ سے اُڑ کر اُس کے چہرے پر آ رہے تھے جنہیں وہ بار بار ہٹا رہی تھی۔

"میرے جانے کے بعد جب تم نے اپنے بال کاٹ لیے تھے تو وہ وقت میرے لیے کسی اذیت سے کم نہیں تھا۔" اُس کی آواز سن کر وہ چونکی اور حیرت سے اُسے دیکھنے لگی کہ وہ کیا بول رہا ہے۔

"تمہارے بال مجھے بہت پسند تھے اِسی لیے میں تمہیں اِنہیں کٹوانے نہیں دیتا تھا لیکن میرے جانے کے بعد جب تم نے اِنہیں کاٹا تو مجھے لگا تم نے میرے وجود سے میرا قیمتی حصہ علیحدہ کر دیا لیکن میں خوش ہوں کہ یہ پھر سے پہلے جیسے ہو گئے اور اب میں تمہیں کبھی اِنہیں

ہاتھ لگانے نہیں دوں گا۔" وہ سنجیدگی سے سننے کی کوشش کرتی رہی اور آخر میں ہنس پڑی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی وہ جھینپ گیا اور پھر خود بھی اپنی خفگی مٹانے کی خاطر ہنسنے لگا۔

"مجھے نہیں پتا تھا میری انجانے میں کی گئی حرکت نے آپ کے ہوش اُڑا دیے تھے ورنہ جب آپ واپس آئے تھے تو پھر کرتی لیکن افسوس مجھے اب پتا چلا۔" وہ اُسے چھیڑتے ہوئے بولی اور وہ مسکرانے لگا۔ یہ مسکراہٹ اب ایسے ہی رہنی تھی یا نہیں یہ تو وقت بتائے گا، لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے تو یقیناً مشکل بھی ہو گی تو وہ سامنا کر لیں گے۔

پس یہ ثابت ہوا کہ روح کے زخم محبت کے مرہم سے مندمل ہو جاتے ہیں اور یہ بات آج وہ دونوں بخوبی جان گئے تھے۔ وہ ساتھ تھے اور ایک دوسرے کو مکمل کرتے تھے۔ یہ اُن دونوں کی محبت کی شروعات تھی جسے ایک دوسرے کے سنگ اُنہیں پروان چڑھانا تھا۔

وہ اُسے اب بھی تنگ کر رہا تھا اور وہ ہنس رہی تھی۔

منظر مکمل تھا کیوں کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے اور یہی بہت تھا۔

تمت بالخیر

مزید بہترین ناول/افسانے/آرٹیکل/مختصر کہانیاں اور معیاری شاعری پڑھنے کے لئے

نیچے دیئے گئے لنک پر کلک کریں۔

شکریہ!

www.novelsclubb.com

ہماری ایپ ڈاؤنلوڈ کریں اور رسائی حاصل کریں بے شمار مزے دار ناولوں تک

Download our app

بہترین کوالٹی کی کتب شائع کروانے کے لئے اس نمبر پر رابطہ کریں۔

03257121842

اگر آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے اور آپ اپنا لکھا ہوا دنیا تک پہنچانا چاہتے ہیں، مگر آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے۔۔تو ہم سے رابطہ کریں۔

ہماری ٹیم آپ کو قدم قدم پر رہنمائی فراہم کرے گی اور آپ کی لکھی ہوئی تحریر دنیا تک لائے گی۔

آپ اپنا لکھا ہوا ناول، افسانہ، شاعری، ناولٹ، کالم یا آرٹیکل پوسٹ کروانا چاہتے ہیں تو اپنا مسودہ ہمیں ورڈ فائل یا ٹیکسٹ فارم میں میل کریں

novelsclubb@gmail.com

آپ ہمارے فیس بک، انسٹا پیج اور واٹس ایپ کے ذریعے بھی ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔

FB PAGE:

NOVELSCLUBB

INSTA:

NOVELSCLUBB

WHATSAPP:

03257121842